انتصار الاسلام

وتبعین سنّت خیر الانام

مرتب

مولانا محمد لدھیانویؒ

مولانا عبداللہ لدھیانویؒ

مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ

مولانا اسماعیل لدھیانویؒ

انتصار الاسلام

و تبعین سنّت خیر الانام

مرتب

مولانا محمد لدھیانویؒ، مولانا عبداللہ لدھیانویؒ

مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ، مولانا اسماعیل لدھیانویؒ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب	انتصار الاسلام و تبعین سنّت خیر الانام
مصنف	مولانا محمد لدھیانویؒ، مولانا عبداللہ لدھیانویؒ،
	مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ، مولانا اسماعیل لدھیانویؒ
اہتمام	مشہود مفتی
کتابت و پروف ریڈنگ	مفتی عبیدالرحمٰن uans.0786@gmail.com
اشاعت دوم	جنوری ۲۰۲۵ء

ناشر

مفتی صدام حسین لدھیانوی

مفتی اعظم پنجاب، وارث علمائے لدھیانہ

مسجد ام المدارس، ۳۳۶، شاہ پور روڈ نزد سبحانی بلڈنگ، لدھیانہ پنجاب انڈیا

Email: :muftieazampunjab492023@gmail.com

Mobile Number: +917087666695

☆☆☆

مسلمانوں میں اسلام کا درد اور مذہبی حیات نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اسلام آباء واجداد سے وراثت میں ملا ہے اور جس طرح مال متروکہ کی قدر اولاد کو نہیں ہوا کرتی اسی طرح ان مسلمانوں کو اس اسلامی ترکہ کی قدر نہیں۔

(مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی رحمہ اللہ)

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سبب تالیف انتصار الاِسلام در ردِّ غیر مقلدین

بعد الحمد والصلوٰۃ! معلوم ہو کہ تخمیناً عرصہ پینتالیس برس کا ہوا ہو گا کہ مولوی صاحب جامع معقول و منقول، حاوی فروع واصول، عالم بے ریا وفاضل با تقیٰ اعنی مولانا مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم کو شاہ زمان کابلی موضع بلیہ وال سے لدھیانہ میں اپنے پاس لے آیا۔ چوں کہ اور اس وقت اس شہر میں دین داری و پرہیز گاری کا چرچا کم تھا، جب مولوی صاحب مرحوم نے بہت سعی اور کوشش ابلاغِ دین پر مبذول فرمائی تب خدا کے فضل سے شہر اور گرد نواح کے لوگوں کو بہت ہدایت ہونے لگی یہاں تک کہ یہ شہر بہ سبب دین داری کے شہرۂ آفاق ہو گیا اور شیخ عبید اللہ صاحب نے بھی اس شہر میں آکر ایمان ظاہر کیا۔ چونکہ شیخ صاحب کو علمِ فارسی اور کچھ علمِ عربی کا ملکہ تھا، طرز وعظ کا سیکھ کر واعظ ہو کر شہر بشہر وعظ کرنے لگے اور کچھ دیر بعد کتاب "تحفہ الہند" تصنیف کی اور اکثر مسلمان بسبب نومسلمی اور دین دار ہونے کے معتقد ہو گئے تھے اور ہر شہر کے علما ساتھ تعظیم اور تکریم کے پیش آتے تھے۔ غرض کہ رفتہ رفتہ شیخ صاحب شہرۂ آفاق ہو کر حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ قبل مراجعت ان کے حادثۂ "غدر" سے مولانا مرحوم لدھیانہ سے چلے گئے۔ شیخ صاحب نے تشریف لاتے ہی میدان خالی پا کر گوئے لامذہبی کو چوگانِ ارادت سے حرکت دے کر بہت لوگو کو شبہہ میں ڈال دیا بلکہ مولوی محمد شاہ صاحب مرحوم کو بھی ابتدا میں شبہہ پڑ گیا تھا لیکن چونکہ وہ مستعد اور ذہین تھے، بہت جلد سنبھل گئے اور شیخ صاحب نے مولوی نذیر حسین صاحب کو مشورہ غیر مقلدی کا دے کر ان کو امامِ وقت قرار دیا۔ اسی طرح ہر شہر میں بعض بعض اشخاص کو در پردہ غیر مقلدی کی تعلیم کرتے رہے حتیٰ کہ اس شہر لدھیانہ میں امامِ اعظم

رحمہ اللہ اور ان کے مسائل کی حقارت ہر کوچہ اور برزن میں ہونے لگی تب مولوی عبدالعزیز صاحب خلف الرشید مولانا مولوی عبدالقادر مرحوم نے کمر ہمت باندھ کر روزوشب دلائل مسائلِ حنفیہ کے قرآن اور حدیث بیان کرنے شروع کیے۔ خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس شہر اور ضلع میں امن ہوگیا۔ اسی طرح مولوی محمد ولد مولوی بارک اللہ مرحوم کو بیٹے ان کے نے طرف غیر مقلدی کے جھکا کر تصانیف مخالف امام اعظم کے کروائیں اور مولوی محمد صاحب موصوف نے جو اپنی ''انواعِ محمدی'' میں لکھا ہے کہ ''میری عمر ۵۵ برس کی تقلید میں ضائع ہوئیں، اب میں نے علم حدیث کا پاکر ہدایت حاصل کی''، بالکل بے اصل ہے کیونکہ جس زمانہ میں مولوی صاحب موصوف نے علم حدیث کا دہلی میں جا کر حاصل کیا تھا بعد اس کے ''اَنواع'' مولوی بارک اللہ کی واسطے تائید مذہب حنفی کے چھپائی۔ غرض جب تک کہ بیٹا ان کا غیر مقلد کا مرید نہیں ہوا تھا تو علمِ حدیث کے زور سے تقلید کو تقویت دیتے رہے بعدہ اپنے بیٹے کے مقلد اور تابع دار ہو کر عارضی طور پر غیر مقلد ہو گئے مگر اب تخمیناً عرصہ ایک سال کا ہوا ہوگا لدھیانہ میں مولوی صاحبان کے پاس یوں کہتے تھے کہ میں ''انواعِ محمدی'' بنا کر پشیمان ہوا، اب میرا ارادہ ہے کہ کسی کتاب فقہ کو مثل کنز یا مختصر وقایہ کے مدلل کر کے پنجابی زبان میں بیان کروں۔

حاصل کلام کا یہ ہے کہ جو کتابیں انہوں نے غیر مقلدی میں بنائی ہیں بالکل بے اعتبار سمجھنا چاہیے۔ پھر شیخ صاحب وغیرہ نے کتاب ''تحفہ پنجاب'' مولوی محمد اور مولوی عبدالعزیز صاحب کے جواب میں چھاپ کر شہر بشہر شایع کی اور ایک خط جو اس کے جواب میں لکھا گیا تھا اس کو ہمراہ تحفہ پنجاب کے نہ چھاپا اور مضمون اس خط کا یہ تھا:

بعد الحمد للہ القدیر والصلاۃ علی

نبیہ الجدیر وعلی آلہ النصیر

مکشوف خاطر محمد عطار وعبدالحفیظ باد کہ دفترِ مرسلہ شمارسید واقسیہ مندرجہ

معلوم گردید ارقام یافتہ بود کہ خط مرسولہ آنجانب رایک طالب العلم رد کردہ پس ماچگونہ تصدیقِ آن نمائیم؟ عزیزا مقتضائے طبعِ طالبان ہواکہ لباسِ طلبِ علم دارند فی الواقع ہمین انکار ورڈو کدست اگر قولِ مذکور باور نیاید چند مسائلِ متفقہ اہلِ سنّت وجماعت نزد احدی از افرادِ روافض ارسال دارند بعد ازان ہیند کہ چہ سان تقریر ہاے ابطالِ آن ظاہر نمودہ معتقداتِ خود رابہ آیات واحادیث واقوالِ سلف محقق ومقرر خواہند داشت ومفہوم بل نتبع ما وجدنا علیه آباءنا مطابق شانِ آں عزیز خواہند نمود۔ پس آن زمان بظاہر جز تقلیدِ بزرگانِ تحقیق رابہ نسبت شما ہیچ اثرے نخواہد بود عجب ست بدیدن دفترِ مذکور کہ ندای ابطالش از بلادِ اسلام مشتہر ومرتفع گشتہ سرعۃً عقیدہ سنّیہ خود راتغیّر دادہ شود وقولِ روافض را بدلیلِ انکار اعجب العجب ست کہ طالب باستنبطانِ طلب مستلزم جہل ست پس وقوفِ اسرارِ آیات ومخفیات روایات نصیب خاطرش چگونہ خواہد بود فلذلک الاستلزام اشارہ لعلمه الذين يستنبطونه منهم وراء ظہر انداختہ، تاج الحياء خير كله راپائمال خودساختہ، ردای اذا لم تستحی فاصنع ما شئت ملبوس خود داشتہ، میدان ضلوا فأضلوا رامعمور نمودہ، قواعدِ کلیہ مقررہ کہ مضرِ مطلب آں طالب بودیک طرف نہادہ، اقتباسِ جزوے از اقوال مثل شیوۂ اہلِ ہوا تجویز نمودہ، حديث من أفتى بغير علم كان إثمه على من أفتاه ومن أشار على أخيه بأمر يعلم أن الرشد في غيره فقد خانه رواہ ابو داؤد معلوم نداشتہ، ودر مواضع طلب امتیاز تمیز را فروگذاشتہ، نفس اعتراضات را جوابات پنداشتہ مطلوبہ اطلاقات رایک طرف انداختہ، عموماتِ ادلہ رابے حاصل انگاشتہ،

حديث أوتيت جوامع الكلم را قامعِ بنیادِ خود دانستہ، انحصارِ کلیات در سوادِ جزئیات بے حجتِ صریح قرار دادہ فان مقتضى الحجة واحدة مسموعِ خویش نکردہ قول امام شافعی در باب تراویح هکذا وجدت ببلدنا مكة (یعنی فرمایا امام شافعی نے کہ مکہ میں سب اہلِ اسلام تراویح کی بیس رکعت پڑھتے ہیں۔) منظورِ خود نکردہ، عمل درآمدِ اہلِ اسلام را دلیل نداشتہ مع ذلک کتبِ ستّہ واقوالِ علما را حجت ساختہ، ادعائے اتباعِ ظاہرِ قرآن حدیث مثل مقتدای خود کردہ باز درپئے تاویلات شدہ، طعن در مرسولہ این جانب کہ موافقِ مذہبِ او شان بے تاویل ارسال داشتہ شد اظہار نمودہ گویا طعن بر مذہبِ خود مقرر داشتہ نہ اطمینان بظاہر نصوص ونہ ایمان با اقوال واجماع ونصوص۔

گر بپر گویش اشترم
ور نہی بارش بگوید طائرم

قولِ رد المحتار را سندِ خود دانستہ روایت در مختار کہ بر تعزیر لا مذہب وعدمِ قبولِ شہادتِ آن منادی ومشعر ست مخفی نمودہ، احتیاط منطوق دع ما يريبك إلى ما لا يريبك کہ در اتباعِ مذہب واحد با شعار مقتضائے شان مولوی نذیر حسین نیز موجود ست متروک ساختہ، آیت لهم البشرى في الحيٰوة الدنيا را گوش نکردہ، مرایائے اہلِ اسلام را تاویلاتِ فاسدہ موافق فرقہ شاذۂ خود نمودہ، مفہومہای شان را کہ مطابقِ منطوق نصوص ورائے اہلِ سنّت جماعت بود تبدیل ساختہ، خیال مجهول الاسم کہ محض افترا ست مقابلۃً بیان نمودہ، وعید واردہ درشانِ مرتکبِ آن یاد نیاوردہ، حديث فاضربوه بالسيف كائنا من كان ملحوظ نداشتہ، تفرق وتشتّت را مذہبِ خود تعیین

نمودہ، در بیانِ حدیث خطوط ظاہر آخود راازاہلِ ہواقرار دادہ، از اتباعِ مذہبِ واحد کہ از مدّتِ مدید صراط الذین انعمت علیھم من المؤمنین خروج نمودہ، ہمان اصل حقیقت کہ طالب مستلزمِ آن ست من وعن اظہار نمودہ، تنِ خود را در تیہِ ہلاکت انداختہ است۔ باید کہ از علومِ ضروریہ فارغ شدہ باز زبان تقریر نشان رانماید ورنہ جز ہلاکت و شقاوت حصولے نخواہد شد۔ چون حقیقتِ طالبِ مذکور معلوم گشت پس مناظرہ بایں چنیں کسان باستدلالِ آیتِ آتیہ ممنوع وعارست قال اللہ تعالیٰ: واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما. الآیۃ لہٰذا مرقوم می گردد کہ اگر رفعِ شبہہ اہلِ اسلام بالکلیہ منظور ست بایں مراسلات میسر نخواہد شد، نمی بیند کہ جوابِ یک خط کہ فی الحقیقہ جواب نبود در دوازدہ ورق مرقوم گشتہ، پس جوابِ آن اوراق بحسابِ آن جواب تخمیناً دوازدہ جزو باید ھکذا الی غیر النھایۃ کما ترون في معاملۃ الرفضۃ ازیں جہت لایق وانسب آنست کہ شایقان معہود بمشورہ علماء ورؤساء جانبین مقتدای فرقہ جدیدہ کہ قولِ او ہمہ کس را از اتباعِ او مسلّم باشد مقرر نمایند وتاریخ ومکانے بصلاحِ اعیانِ بلدہ مقرر نمودہ اطلاع دہند۔ ان شاء اللہ تعالیٰ این احقر با کسے دیگر ازین جانب مع اسباب رسیدہ مناظرہ خواہد کرد بعد ازیں اگر بفضلِ ایزدی اتفاقِ جانبین وقوع یافت فہوالمراد ورنہ فتویٰ جانبین در بلادِ مشہود بالخیر ارسال داشتہ ہر مکتوب را کہ اوشان تصدیق نمایند معمولِ خلایق خواہد شد۔ (تمام شد خط مولوی عبدالعزیز صاحب سلّمہ ربہٗ)

اور ایک اور جواب بنام ”تنبیہ المفسدین“ حافظ فرید الدین شاعر نے بزبان پنجابی تصنیف کیا اور چھپ کر شایع ہوا اور ۱۲۹۳ہجری المقدس میں غیر مقلدین یعنی خلیفہ احمد

الدین کومی اور اخوند نور الدین ولایتی وغیرہ ۱۳ کس (افراد) غیر مقلدین نے نالش اوپر مولوی محمد و مولوی صاحب عبد العزیز کے بسبب تحریر کرنے ایک فتویٰ کے دائر عدالت کرکے مولوی عبد العزیز پر ساٹھ روپیہ جرمانہ کروایا لیکن اللہ جلّ شانہٗ کے فضل وکرم سے اپیل کمشنری میں منظور ہو کر یہ حکم صادر ہوا:

"اور مدّعا علیہ چونکہ مذہبی مسائل کا معلّم ہے، اس کو استحقاق حاصل ہے کہ اپنے مخالفین کی نسبت جو امر اس کو کتب مذہبی میں معلوم ہووے، سے متعلق کرے۔"

لہٰذا حکم ہوا کہ:

"اپیل مدّعا علیہ کی منظور اور حکم عدالت ماتحت منسوخ جرمانہ وصول شدہ از مدّعا علیہ واپس دلایا جاوے۔ فقط"

بعد نفوذ اس حکم کے اس فرقہ کی کمر بالکل ٹوٹ گئی کیونکہ غرض ان کی اس نالش سے یہ تھی کہ حکام کے نزدیک بدنام ہو کر فتویٰ دینے سے ہٹائے جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے حکم حکام کا برعکس مراد ان کی کے صادر ہوا۔ پھر کچھ مدّت پاکر غیر مقلدین نے مشورہ کرکے مولوی محمد حسین لاہوری کو اس شہر میں بلوایا۔ چونکہ ان دنوں میں مولوی محمد و مولوی عبد العزیز صاحب لدھیانہ میں نہیں تھے، نعرہ هل من مبارز يبارزني کا شور مچایا۔ جب مولوی محمد صاحب نے شہر میں آکر استدعا مناظرہ کی کی تو فوراً مولوی محمد حسین نے شہر سے کوچ کرکے بلیہ وال جاکر قیام کیا اور عوام میں مشہور کیا کہ جب ہم شہر میں آئے تو مولوی صاحبان شہر سے بھاگ گئے اور جب ہم ان کے گاؤں میں آئے یہاں سے بھی بھاگ گئے۔

جب مولوی محمد صاحب موضع مذکور میں پہنچے بعد قصہ طویل کے ایک تحریر چند مسائل کی مولوی لاہوری نے مولی محمد صاحب کے پاس بھیجی۔ اس کا جواب مولوی

صاحب نے لکھ کر بھیج دیا۔ پھر مولوی لاہوری نے جواب الجواب میں حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کے معنی یوں تحریر کیے کہ بموجب قاعدہ اصول المعرفة إذا أعيدت معرفة كانت الثانية عين الأولى دونوں سنتوں سے ایک سنّت مراد ہے اور حالانکہ قاعدہ مذکورہ کا بسبب مغایرت مضاف الیہ کے ایسے مقاموں میں جاری ہونا محالات سے ہے (مولوی صاحب لاہوری کی علمیت اس کلام سے اظہر من الشمس ہے۔) ورنہ مثلاً زید اور زوجہ عمر کا معاذ اللہ ایک ہونا لازم آتا ہے۔ بعدہٗ مولوی صاحب (نے) گفتگو تقریری اور تحریری سے پہلوتہی کر کے قصبہ روپڑ کو کوچ کیا۔ وہاں پہنچ کر موافق عادتِ قدیمہ کے یہ مشہور کیا کہ ہمارے روبرو مولوی محمد و مولوی عبدالعزیز و مولوی عبداللہ وغیرہ نہ آسکے لیکن مولوی غلام محمد صاحب ہوشیار پوری نے جو موضع مذکور میں حاضر تھے اس دروغِ بے فروغ کو سن کر فرمایا یہ بالکل غلط ہے اور اگر آپ کو استعداد علمی ہے تو میں واسطے مناظرہ دینی کے حاضر ہوں۔ اس اثنا میں مولوی محمد و مولوی عبدالعزیز و مولوی اسماعیل صاحب بھی موضع مذکور میں تشریف لے گئے۔

پھر تو مولوی لاہوری نے مناظرہ علمی کی راہ چھوڑ کر بنیاد فساد کی ڈال کر نظام الدین کتب فروش کو واسطے توہینِ امامانِ دین اور کتب فقہ کے مقرر کیا لیکن حکامِ وقت نے اس کو روکا۔ بعدہٗ مولوی صاحبان موضع کاٹھ گڑھ کو چلے گئے۔ غلام احمد غیر مقلد ساکن موضع مذکور نے مولوی صاحبان کو روک کر مولوی لاہوری کو بلوایا اور ایک درخواست سرکار میں دی گئی۔ بعد اس کے بانتظامِ سرکار گفتگو فضیلت علماء حرمین شریفین میں شروع ہوئی۔ جب ایک جلسہ میں مولوی محمد حسین صاحب کی عبارت پر سخت اعتراضات وارد کیے گئے (تو) ہوش وحواس مولوی لاہوری کے پراگندہ ہو گئے لیکن فوراً جوابات بے لحاظ صحت وسقم کے لکھ دیے۔

جب مکان میں آکر ہوش وحواس میں آئے تب مولوی صاحب نے اپنے جوابات کی

غلطی نکالنے کے واسطے بذریعہ ایک حکیم کے جو اُن کا ہم مذہب تھا فجر کو مثل چور آکر جوابات کو محو واثبات سے اصلاح دے رہے تھے کہ مولوی محمد و مولوی اسماعیل و مولوی غلام محمد صاحبان نے چور کو جا کر پکڑا اور مقدمہ اس کا زبانی سردار صاحب کے پیش کیا گیا۔ سردار صاحب نے بہت ملامت اور سرزنش مولوی صاحب لاہوری کو کی۔ قصہ کوتاہ ہردو تحریرات کو منصف یعنی مولوی عبدالحیؒ لکھنوی جو اصل میں منصف مولوی لاہوری کا تھا بھیجنے کا حکم دے کر طرفین کو کہہ دیا کہ اب آپ اس گاؤں سے تشریف لے جائیے تا کہ کوئی صورت فساد کی نہ ہو جاوے۔

چونکہ اس گفتگو میں مولوی لاہوری کو بہت ندامت حاصل ہوئی، واسطے رفع اس ندامت کے اشتہار مولوی صاحبان مذکور کے نام پر اخبار "سفیر ہندوستان" میں جس کا مہتمم پادری ہے جاری کیا بلکہ ہفتہ وار ایک ضمیمہ اخبار مذکور میں چھپ کر لدھیانہ میں آکر منقسم ہوتا ہے۔

سبب اتحاد پادری صاحب کا ساتھ غیر مقلدین کے یہ ہے کہ مولوی عطا محمد ہوشیار پوری غیر مقلد نے واسطے جواز مواکلۃ و مشاربۃ اہلِ کتاب کے فتویٰ لکھ کر یہ سند گذرانی کے جو قروط اہلِ کتاب کے تیار کیے ہوئے بآمیزش چربی خنزیر کے آتے تھے ان کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم معاذ اللہ کھایا کرتے تھے۔ (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا بہتان باندھ کر مسلمان اور محمدی کہلانا خلافِ عقل و نقل ہے۔) باقی غیر مقلدین یعنی مولوی نذیر حسین سے لے کر تا مولوی محمد حسین لاہوری نے اپنی اپنی مواہیر ثبت کر کے "اظہار الحق" نام رکھ کر پادری صاحبان کے نذر کیا۔ اب پادری صاحب اس احسان کا صلہ دے رہے ہیں۔

اور جو ضمیمہ اخبار مذکورہ میں منصف کی تحریر لکھ کر غیر مقلدین نے مؤید مدّعا اپنے کا قرار دیا ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ اگرچہ منصف نے ظاہر داری طرفین کی کی لیکن حق بحکم الحق یعلو و لا یعلی کے انصاف منصف کو صاف کر رہا ہے یعنی چونکہ امر انصاف

طلب یہ تھا کہ اس زمانۂ حال میں علمائے حرمین کو منصف قرار دینا اہلِ ہند کا افضل ہے یا نہیں۔ سو منصف کی عبارت سے افضلیت مذکورہ جو حق تھا صاف مترشح ہے کیونکہ مدار انصاف کا اوپر ان دو امروں کے ہے:

۱. امرِ اول کہ منصف میں مداہنت یعنی دین کے امر میں چشم پوشی اور ریاکاری نہ ہو۔

۲. امر دوم کہ مرتبہ اس شخص کا افضل ہو۔

سو یہ دونوں امر منصف نے واسطے علماء حرمین کے ثابت کیے ہیں۔ بجنسہٖ عبارت منصف کی نقل کی جاتی ہے کہ:

”یہ اشارہ ہے اس طرف کہ دین حرمین میں قوی رہے گا اور جس طرح سے مداہنت امورِ دینیہ واستحداث بدعاتِ شرعیہ اور بلاد میں ہوگا اس قدر حرمین میں نہ ہوگا۔“ (یہ عبارت حدیثِ چہارم کے پیچھے ہے۔)

”اس قدر ثابت ہے کہ جب دو طائفہ علماء کے فرض کیے جاویں کہ مساوی وسعتِ علم وتحقیق، انصاف وتدقیق میں ہوں اور ایک طائفہ ان میں سے حرمین کا ہو تو وہ افضل دوسرے طائفے سے ہے۔“ (یہ عبارت منصفی کے اختتام پر ہے۔)

پس اگر مگر منصف کا بعد بیان ان دو امروں کے دال اوپر کمال مداہنت کے ہے۔ واللہ أعلم وعلمہ أتم.

جب مولوی محمد حسین صاحب بعد اجرائے اشتہار کے لدھیانہ میں تشریف لائے فوراً مولوی صاحبان نے بموجب اشتہار اُن کے تحریراً اطلاع دی کہ اگر آپ کو جواب اشتہار کا درکار ہے تو بہتر ہے کہ ایک مجلس واسطے مناظرہ کے مقرر کرو۔ اس کے جواب میں مولوی صاحب نے یہ لکھا:

”مولوی صاحبان والا شان مولوی عبدالعزیز صاحب ومولوی محمد اسماعیل

صاحب ومولوی محمد صاحب۔ بجواب رقعہ سامی مورخہ ۱۳ جولائی ۱۸۷۰ء
اولاً یہ التماس ہے کہ میں نے اپنے اشتہار میں کہیں نہیں لکھا کہ تقریراً کوئی جواب پیش کرے۔ (حالانکہ ضمیمہ مشتہر میں مولوی صاحب نے تقریری گفتگو کو مقدم رکھا ہے۔ عبارت ان کی یہ ہے: ''گفتگو تقریری نہیں تو تحریری سہی''۔) بلکہ تحریری جواب کا اس میں مطالبہ ہے۔ دیکھو ضمیمہ اس اشتہار کا جو ۸ جون کو چھپا ہے جس میں چند جگہ لکھنے لکھانے پر تصریح ہے۔

لہٰذا آپ کو لازم ہے کہ آپ جواب اس کا کسی مشہور اخبار میں چھپوادیں یا بطور مستقل اس کو چھپوا کر شائع کریں قطع نظر اس سے شروطِ مجوّزہ کاٹھ گڑھ میں سے شروط دوم کا ذمہ دار یہاں کون ہوگا اور مکان مناظرہ کون سا تجویز کیا ہے؟ آپ اس کی تعیین فرمادیں اور اگر کوئی شخص ثالث ذمہ دار ہوا اور اقرار نامہ ذمہ داری فساد بتسلیم ۲۰۰ روپیہ جرمانہ کے لکھ دے اور مکان بھی کسی ثالث کا تجویز ہو تو ہم کو عذر نہیں ہے۔

ثانیاً: آپ مناظرہ کاٹھ گڑھ میں ان مسائل کی جواب دہی سے بالکل منکر تھے اور کہتے تھے کہ جب تک کسی مسئلہ میں علماء حرمین کی منصفی منظور نہ ہو ہم گفتگو نہیں کریں گے۔ اب جو آپ درخواست گفتگو کرتے ہیں کیا اس اصرار سے انکار ورجوع کیا ہے یا اب بھی وہی بات پیش کریں گے؟ اگر اس سے رجوع ہے تو صاف لکھیں کہ ہم علماء حرمین کی منصفی کی خصوصیت میں خطا پر تھے، اب اس کا ذکر نہ لاویں گے اور اگر اب بھی وہی بات پیش کرنی ہے تو یہ گفتگو عبث ہے، پہلے وہی گفتگو طے ہونی چاہیے۔

ثالثاً: یہ کہ آپ کا اقرار تھا کہ آئندہ گفتگو ہوگی تو کاٹھ گڑھ میں اب یہاں کیوں تجویز کی ہے اور اس اقرار سے کیوں انحراف فرمایا ہے؟ جواب ان تینوں باتوں

کا جلد لکھیں۔‘‘

پھر اس کے جواب میں مولوی صاحبان نے شیخ احمد جان سوداگر لدھیانہ کو متکفل زرِ نقد اور مکانِ گفتگو کا مقرر کر کے اطلاع دی۔ اس کے جواب میں مولوی محمد حسین صاحب نے یوں تحریر کیا:

’’مولوی صاحبان محمد اسماعیل و محمد عبدالعزیز و محمد صاحب! آپ نے میری ایک بات کا جواب لکھا اور دو باتوں اخیر کا جواب نہیں لکھا اور بڑی بات جواب طلب وہی ہے جو دوسری ہے۔ اب اس کا جواب لکھیں اور مکان شیخ احمد جان کا ہم کو منظور نہیں ہے۔ یہ شخص ثالث نہیں ہے، آپ کا طرف دار ہے۔ پہلی دفعہ یہ شخص رقعہ لے کر آیا تھا تو زبانی سخت سست الفاظ مجلسِ عام میں ہم کو کہہ گیا تھا، یہ گھر میں کیا ڈھیل کرے گا؟‘‘

پھر اس کے جواب میں مولوی احمد صاحب نے یہ خط تحریر کیا:

(یہ خط جب بوساطت حکیم عبد اللہ جو صاحب پاس محمد حسن کے پہنچا۔ حکیم صاحب نے رسید طلب کیا۔ محمد حسن نے خط کا مضمون دیکھ کر رسید سے انکاری ہو کر خط واپس کیا۔)

’’بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مولوی محمد حسین صاحب لاہوری کو واضح ہو کہ بجواب رقعہ دوئم آپ کے لکھا جاتا ہے کہ آپ نے جو مکان شیخ احمد جان سوداگر سے انکار کیا اور جو الفاظ ناشائستہ آپ سے روبرو اس کے سرزد ہوئے براہِ چالاکی آپ نے شیخ احمد جان کی طرف عائد کیے۔ یہ وہ مثل ہے کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ اب آپ کو اگر مکان محمد حسن پسر مولوی محمد شاہ مرحوم کا جس میں آپ فروکش ہیں یا مکان منشی محمد عمر کا یا اور مکان کسی معزز کا منظور ہو مقرر فرما کر ہم کو اطلاع دیں تا کہ جانبین سے دو آدمی سرکار میں اطلاع دے کر مکان

مقررہ پہرہ گارد کا کیا جاوے اور گفتگو شروع ہو۔

اور جو آپ لکھتے ہیں کہ تم نے میری دوسری بات کا جو بڑی بات تھی جواب میں نہیں لکھا وہ بالکل افترا اور بہتان ہے ورنہ آپ نشان اس کا تحریری مثل کاٹھ گڑہ میں دو۔ البتہ زبانی گفتگو میں یہ ذکر آیا تھا کہ اگر آپ کو منصفی علماء حرمین شریفین سے انکار ہے تو اول اس میں گفتگو کرو اور بعد اس کے اور مسائل میں گفتگو شروع ہوگی۔ چنانچہ آپ کی تیسری بات صاف دال ہے اس امر پر کہ ہم بعد گفتگو فضیلت حرمین شریفین کے واسطے مباحثہ باقی مسائل کے مستعد تھے ورنہ آئندہ اقرار گفتگو کا بعد آنے منصفی کے موضع کاٹھ گڑہ میں جو آپ تحریر فرماتے ہیں کس طرح متصور ہوتا؟ سچ ہے کہ دروغ گو را حافظ نباشد۔

اب درخواست گفتگو کی آپ سے اس مقام پر بسبب اشتہار آپ کے کی گئی۔ اگر آپ کو بجز موضع کاٹھ گڑہ کے گفتگو منظور نہیں تھی تو اشتہار دیتے یا اس میں قید موضع مذکور کی لگاتے تو آپ کو از کردۂ خود پشیمان نہ ہونا پڑتا جیسا کہ اب آپ تقریری گفتگو موجودہ اشتہار سے منحرف ہو کر عبارت اپنی کے غلط معنی کرنے لگے تو آپ کو سمجھ معانیِ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویہ کی اسی نہج پر ہوگی۔

اب آپ کو لکھا جاتا ہے کہ جس مسئلہ میں گفتگو کرنی منظور ہو تو میدانِ گفتگو میں جامۂ مردانہ پہن کر آؤ ورنہ قناتِ حیلہ اور بہانہ میں مستور رہنے سے مردیت قائم نہیں رہتی۔ فقط"

الراقم: خادم الطلبا محمد

پھر مولوی لاہوری اسی روز گفتگو تقریری سے طرح دے کر لاہور کو چلے گئے۔ چونکہ ہر غیر مقلد مستدعی گفتگو تحریری کے تھے لہٰذا یہ کتاب "انتصار الِاسلام" تالیف اور تصنیف کر کے شائع کی گئی ہے۔ فقط

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

الحمد لله الذی هدانا صراط الذین أنعم علیهم من الصالحین والصلاة علی النبي الأمي وعلی آله وأصحابه اجمعین.

بعد الحمد والصلوٰۃ مسکین محمد بن مولانا مولوی عبدالقادر لدھیانوی بیچ خدمت اہلِ اسلام کے عرض کرتا ہے کہ جب ان دنوں میں تقلید امامانِ دین کی بعض اشخاص کو بری معلوم ہوئی بلکہ تقلید کو شرک کہنے لگے اور امامانِ دین اور اہلِ حرمین شریفین کو طعن کرنے لگے، تب علمائے وقت نے بھی ان کے رد میں رسالے تصنیف کیے مگر ایک رسالہ بنام ''نظام الملۃ دافع العلۃ'' جو حقیقت میں ''نظام العلۃ دافع الملۃ'' ہے غیر مقلدین نے بنا کر مشتہر کیا ہے اور اس کا رد میری نظر سے نہیں گزرا۔ لہٰذا رد اس کا مختصر لکھا جاتا ہے۔ حسبی اللہ نعم الوکیل۔

(۱) مضمون صفحہ ۳ نظام الملّۃ

'' غیر مقلدین کو لا مذہب کہنے والا بموجب اس آیت کے گنہگار ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ﴾ [الحجرات: ۱۱] الآیة. (یعنی ایک دوسرے کو لقبِ بد سے نہ بلاؤ، برا نام ہے بدکاری پیچھے ایمان کے۔)''

اقول وباللہ التوفیق:

یہ لفظ ہرگز لقبِ بد نہیں کیونکہ لا مذہب سے مراد ہماری غیر مقلد ہے یعنی چار مذاہب سے کسی ایک کا مقلد نہیں۔ اسی واسطے یہ لفظ بزرگانِ دین یعنی مجتہدین پر بولا جاتا ہے

المجتهد لا مذهب له. پس ڈرو آیات کو غیر محل پر لانے سے بلکہ جو لوگ مقلدین کو مذہبی سکہ اور ہدایہ شریف کو گرنتھ اور فقہ کو پہیلی کہتے ہیں، بے شک اس آیت کی وعید شدید میں داخل ہیں۔ وہ مثل ہے کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۲) مضمون صفحہ ۳

"فرمایا جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمیشہ رہے گا ایک طائفہ امّت میری کا منصور، نہ ضر کرے گا ان کو جو رسوا کیا چاہے ان کو قائم ہے قیامت تک۔ مراد اس حدیث سے محدّث ہیں۔"

اقول وباللہ التوفیق:

یہ حدیث واسطے تعریف مجاہدین کے ہے۔ ایسا ہی بیان کیا ہے مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بیچ تحفہ اثنا عشریہ کے:

"ومجاہدین رادر قرآن وحدیث ستودہ اند لایزال من أمتی أمة قائمة بأمر الله لا یضرهم من خالفهم، انتهی"۔ (ہمیشہ رہے گا ایک گروہ امّت میری کا قائم ساتھ امر اللہ کے ضرر نہ پہنچا سکے گا ان کو مخالف ان کا۔)

اور مضمون حدیث مذکورہ کا صراحۃً دوسری حدیث میں مبیّن ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: الجهاد ماض مذ بعثني الله إلى أن يقاتل آخر هذه الأمّة الدّجال.

"فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد ہمیشہ رہے گا جب سے مبعوث کیا ہے اللہ جلّ شانہٗ نے مجھ کو یہاں تک کہ لڑ کر مار ڈالے گا آخر اس امّت کا دجال کو۔"

فائدہ

پس مراد نصرت اہلِ اسلام کی بسبب قائم رہنے جہاد کے بزور شمشیر ہمیشہ رہے گی۔

چنانچہ بادشاہی متبعین مذاہب کے صدہا سال سے اب تک مظفر اور منصور چلی آتی ہے۔ اگر مراد اس حدیث سے محدث لیے جاویں تو بھی مؤیّد تقلید ہے کیونکہ محدثین معتبرین سب مقلد ہیں۔

قسطلانی نے جلد اول میں امام بخاریؒ کو شافعی اور ابواللیثؒ کو جو بخاریؒ کے استاد کا استاد ہے حنفی المذہب نقل کیا ہے اور اسی طرح حال ہے باقی محدثین مثل ابن حجر اور قسطلانی اور نووی اور قاضی عیاض وغیرہ کا اور اس زمانہ میں بھی جو بڑے بڑے محدث حرمین شریفین اور شام میں جن کے حق میں ورود اس حدیث کا بموجب فہم ترمذی کے معلوم ہوتا ہے موجود ہیں، وہ سب مقلد ہیں اور اس ملک ہند میں بسبب دور ہونے حکومتِ اسلام کے بعضے محدث کہلا کر انکار تقلید کا کرنے لگے۔ مولوی نذیر حسین صاحب جو بانی مبانی اس فساد کا ہے اس نے چند اوراق اطراف صحاحِ ستہ کے مولانا اسحاق صاحب مرحوم سے پڑھے ہیں اور تصدیق اس کی سند مولانا اسحاق صاحب مرحوم کی سے جو مولوی نذیر حسین صاحب کے پاس موجود ہے، ہو سکتی ہے اور جو بڑے بڑے محدث اس ملک ہند میں ہیں مثل مولانا مولوی احمد علی صاحب سہارن پوری اور مولانا مولوی عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی اور مولوی عالم علی صاحب مراد آبادی سب مقلد ہیں۔

پس مولوی نذیر حسین صاحب جو میدانِ گفتگو میں نہیں آتے اور شاگرد اس کے جو جابجا خوار اور ذلیل ہیں، مصداق حدیثِ منصوریت کے کس طرح ہوئے؟ منصور ہونا بہر صورت ورثہ مقلدین کا ہے۔ پس حدیثِ مذکورہ ہر وجہ سے مثبتِ تقلید معیّن ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۳) مضمون صفحہ ۴

”آپ کی بہت حدیثیں منسوخ اور موضوع ہیں۔“

اقول وباللہ التوفیق:

یہ بالکل غلط ہے جیسا کہ لکھا ہے امام شعرانی نے میزان میں کہ سب احادیث ہدایہ کی لائق عمل کے ہیں اور تحقیق احادیث ہدایہ کی بیچ کتاب نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ اور درایہ فی منتخب احادیث الہدایہ وغیرہ کے بخوبی موجود ہیں لیکن بخاری شریف میں بعض احادیث ایسی ہیں کہ وہ بالکل بظاہر لائق عمل کے نہیں جیسا کہ حدیث وطی فی الدبر کی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو امام بخاری واسطے تفسیر آیت ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ [البقرة: ۲۲۳] کے لائے ہیں اس سے جواز لواطت کا نعوذ باللہ معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی صحیح بخاری میں ہے کہ اگر شراب میں مچھلی ڈال کر ذرا دھوپ میں رکھ کر پیوے تو درست ہے۔ اگرچہ ایسی احادیث امام بخاری کے نزدیک عمل کے نہیں بلکہ بعد تعمیقِ نظر کے جوابات ان کے اسی کتاب سے نکلتے ہیں مگر بظاہر روایت کرنا امام بخاری کا کم فہموں کو گمراہ کرتا ہے۔ اسی واسطے کتبِ حدیث پر بغیر تحقیقات کے عمل کرنا منع ہے۔ بخلاف کتبِ معتبرہ فقہ کے کیونکہ کوئی روایت فقہ کی ایسی نہیں جس سے وہم جوازِ لواطت وغیرہ کا پیدا ہو۔ ایسا ہی فرمایا ہے امام بخاری نے:

ذكر القسطلاني في مقدمة شرح البخاري بالسند: سمعت أبا المظفر محمد بن أحمد بن حامد بن الفضل البخاري يقول لما عزل أبو العباس الوليد بن إبراهيم بن زيد الهمداني عن قضاء الري ورد بخارا سنة ثمان عشرة وثلاث مائة لتجديد مودّة كانت بينه وبين أبي الفضل البلعمي فنزل في جوارنا فحملني معلّمي أبو إبراهيم إسحاق بن إبراهيم الختلي إليه فقال له أسالك أن تحدث

هذا الصبي عن مشايخك فقال مالي سماع قال فكيف وأنت فقيه فما هذا؟ قال: لأني لما بلغت مبلغ الرجال تاقت نفسي إلى معرفة الحديث ورواية الأخبار وسماعها فقصدت محمد بن إسماعيل البخاري ببخارا صاحب التاريخ والمنظور إليه في علم الحديث وأعلمته مرادي وسألته الإقبال على ذلك فقال لي:

"يا بني لا تدخل في أمر إلّا بعد معرفة حدوده والوقوف على مقاديره."

فقلت: عرّفني رحمك الله حدود ما قصدتك له ومقادير ما سألتك عنه فقال لي:

اعلم أن الرجل لا يصير محدثا كاملا في حديثه إلّا بعد أن يكتب أربعا مع أربع كأربع مثل أربع في أربع عند أربع بأربع على أربع عن أربع لأربع وكل هذه الرباعيات لا تتم إلا بأربع مع أربع، فإذا تمت له كلها هانت عليه أربع وابتلي بأربع فإذا صبر على ذلك أكرمه الله تعالى في الدنيا بأربع وأثابه في الآخرة بأربع.

قلت له: فسّر لي رحمك الله ما ذكرت من أحوال هذه الرباعيات من قلب صاف بشرح كاف وبيان شاف طلبا

للأجر الوافي.

فقال: نعم، الأربعة التي يحتاج إلى كتبها هي أخبار الرسول صلى الله عليه وسلم وشرائعه والصحابة رضي الله عنهم ومقاديرهم وتابعين وأحوالهم وسائر العلماء وتواريخهم مع أسماء رجالهم وكناهم وأمكنتهم وأزمنتهم كالتحميد مع الخطب والدعاء مع التوسّل والبسملة مع السورة والتكبير مع الصلوات مثل السندات المرسلات والموقوفات والمقطوعات في صغره وفي إدراكه وفي شبابه وفي كهولته عند فراغه وعند شغله وعند فقره وعند غنائه بالجبال والبحار والبلدان والبوادي على الأحجار والأخزاف والجلود مع الأكتاف إلى الوقت الذي يمكنه نقلها إلى الأوراق عمن هو فوقه وعمن هو مثله وعمن هو دونه وعن كتاب أبيه يتيقن أنه بخط أبيه دون غيره بوجه الله تعالى طلبا لمرضاته والعمل بما وافق كتاب الله عز وجل منها ونشرها بين طالبيها ومحبيها والتاليف في إحياء ذكره بعده ثم لا تتمّ له هذه الأشياء إلا بأربع هي من كسب العبد أعني معرفة الكتابة واللغة والصرف والنحو مع أربع هي من عطاء الله تعالى أعني القدرة

والصحة والحرص والحفظ.

فإذا تمت له هذه الأشياء كلها هان عليه الأهل والمال والولد والوطن وابتلي بأربع: بشماتة الاعداء وملامة الأصدقاء وطعن الجهلاء وحسد العلماء.

فإذا صبر على هذه المحن أكرمه الله عز وجلّ في الدنيا بأربع: بعزّ القناعة وبهيبة النفس وبلذّة العلم وبحياة الأبد وأثابه في الآخرة بأربع: بالشفاعة لمن أراد من إخونه وبظلّ العرش يوم لا ظلّ إلا ظلّه ويسقى من أراد من حوض نبيه صلى الله عليه وسلم وبمجاورة النبيين في أعلى علّيّين في الجنة.

فقد أعلمتك يا نبي مجملا بجميع ما سمعت من مشائخي متفرق في هذا الباب فاقبل الآن إلى ما قصدت إليه أو دع.

فهالني قوله فسكتّ متفكرا وأطرقت متأدّبا.

فلما رأى ذلك مني قال: وإن لم تطق حمل هذه المشاق كلها فعليك بالفقه يمكنك تعلمه وأنت في بيتك قار ساكن لا تحتاج إلى بعض الأسفار ووطء الديار وركوب البحار وهو مع ذا ثمرة الحديث وليس ثواب الفقيه دون ثواب الحديث في الآخرة ولا عزّه بأقل من عزّ المحدّث.

قال: فلما سمعت ذلك نقض عزمي في طلب الحديث وأقبلت على دراسة الفقه وتعلمه إلى أن صرت فقيهاً متقدماً فلذلك لم يكن عندي ما أمليه على هذا الصبيّ يا أبا إبراهيم.

فقال له أبو إبراهيم: إن هذا الحديث الواحد الذي لا يوجد عند غيرك خيرٌ للصبي من ألف حديثٍ يجده عند غيرك. انتهى

خلاصہ مطلب اس کلام کا یہ ہے کہ:

"آیا ایک شخص امام بخاری کے پاس واسطے پڑھنے علم وحدیث کے، فرمایا امام بخاری نے اس علم کا پڑھنا بہت مشکل ہے بسبب اس کے کہ درکار ہے محدث کو علم اسماء الرجال اور علم تواریخ علماء اور علم نحو اور صرف وغیرہ کا۔ جس شخص نے سب مشقتیں اٹھالیں اکرام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں عزّت، قناعت اور ہیبتِ نفس وغیرہ اور ثواب ملے گا اس کو آخرت میں شفاعت کرنے کا اور مجاورت پیغمبروں کی بہشت میں۔ بتا دیا میں نے تجھ کو خلاصہ مطلب استادوں اپنوں کا (اپنے استادوں کا) اب پڑھ لے علم الحدیث کو اگر طاقت رکھتا ہے تُو، ورنہ حرص اس کی چھوڑ اور پڑھ لے فقہ کو کہ وہ آسان ہے اور ثواب فقیہ کا کم نہیں محدث سے اس لیے کہ فقہ ثمرہ ہے حدیث کا۔ پھر پڑھا اس شخص نے بموجب فرمانے امام بخاری کے علم فقہ کا اور نہ پڑھا علم حدیث کا۔"

(۴) مضمون صفحہ ۴

"کسی قیاسی مسئلہ کی تعریف حدیث سے ثابت نہیں۔"

اقول وباللہ التوفیق:

جب معاذ رضی اللہ عنہ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بناکر روانہ کیا تھا یہ حدیث فرمائی تھی:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: كيف تقضي إذا عرض لك قضاء؟ قال أقضي بكتاب الله. قال: فإن لم تجد في كتاب الله؟ قال فبسنّة رسول الله. قال: فإن لم تجد في سنّة رسول الله؟ قال أجتهد برأيي ولا آلو. قال: فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلّم على صدره وقال: الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم. رواه الترمذي وأبو داود

یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کس طرح حکم کرے گا تو اُس مسئلے میں کہ نہ پائے تو حکم اس کا قرآن اور حدیث میں صاف صاف؟ کہا معاذ رضی اللہ عنہ نے کہ وہاں میں اجتہاد یعنی قیاس کروں گا۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ سب تعریف ہے اس ذات کو کہ موافق کردیا قاصد رسول اللہ یعنی معاذ واسطے اس کے چیز کے جو خوش ہیں ساتھ اس چیز کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ روایت کیا اس حدیث کو ترمذی اور ابوداؤد نے عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے۔

اور صحیحین میں یوں روایت ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: إذا حكم الحاكم فاجتهد وأصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد وأخطأ فله أجر واحد.

یعنی اگر حاکم نے اجتہاد یعنی قیاس سے حکم درست کیا تو اس کو دو ثواب ہیں ورنہ ایک اجر ملے گا۔

اس سے زیادہ تعریف مسئلہ قیاس کی کیا چاہتے ہو؟ ان احادیث سے قیاس کا سنّتِ نبی ہونا ثابت ہوا۔ اسی طرح آیت ﴿لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾ [النساء: ۸۳] اور آیت ﴿فَاعْتَبِرُوا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ﴾ [الحشر: ۲] واسطے شریعتِ قیاس کے دلائلِ قطعیہ ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

(۵) مضمون صفحہ ۴

"چاہیے کہ سوچیں مقلد اپنے دل میں نہ ماننے والے حدیث صحیح کے مقابل رائے امام کے۔"

اقول وباللہ التوفیق:

جو شخص ذی علم ہو کر ایسی حدیث صحیح کو کہ جس پر امام مطلع نہ ہوا ہو ترک کرے اور مقابل اس کے امام کے قیاس ظنی پر علم کرے وہ شخص گنہگار ہے کیونکہ درجہ قیاس کا بعد حدیث کے ہے اور اگر امام نے اس حدیث کو معلوم کر کے بباعث کسی نقصان کے اس حدیث کو لائقِ عمل نہ سمجھا، ایسی حدیث پر عمل کرنا مقلد کا عقل اور نقل کے خلاف ہے جیسا کہ لکھا ہے قسطلانی نے بیچ دوسری جلد صفحہ ۶۳ شرح بخاری میں:

قال الامام: "قولوا بالسند ودعوا قولي" إنما يعمل بهذه الوصية إذا عرف أنّ الحديث لم يطلع عليه الشافعي، أما إذا عرف أنه اطّلع وردّه أو تأوّله بوجه من الوجوه فلا. انتهى ملخّصا

ترجمہ: کہا امام شافعی نے "عمل کرو ساتھ حدیث کے اور چھوڑ دو قول میرا" بے

شک عمل کرنا درست ہے ساتھ اس وصیت امام کے اگر معلوم ہو کہ تحقیق یہ حدیث نہیں ملی امام شافعی کو اور اگر معلوم ہو کہ امام شافعی نے اس کو معلوم کر کے رد کیا اس کو یا تاویل کرے اس کی کسی وجہ سے، عمل کرنا اس حدیث پر مقلد کو بالکل درست نہیں۔

فائدہ: پس بدوں تحقیق کے ہر حدیث پر عمل کرنے کو اسی سبب سے امام بخاری نے منع فرمایا ہے جیسا کہ گزر چکا بیان اس کا پیچ جواب تیسرے کے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۶) مضمون صفحہ ۵

”قرآن شریف کی سمجھ واضح ہے، کچھ مشکل نہیں بموجب اس آیت کے:
﴿وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ [البقرة: ۹۹]“

اقول وباللہ التوفیق:

لفظ آیات کا بغیر الف لام تعریف کے وارد ہے اور اطلاق ایسی جمع کا بموجب استعمال اہلِ عرب کے دس سے کم پر ہوتا ہے۔ تحقیق اس کی کتبِ علم نحو میں موجود ہے۔ پس اگر بیّن ہونا باعتبار معنٰی کے لیا جاوے بعض آیات سورۃ کا واضح ہونا ثابت ہوگا نہ کل سورت کا۔ پس جمیع کلام اللہ کے سہل ہونے کا دعویٰ اس آیت سے بالکل ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ یہ دعویٰ بالکل غلط ہے بموجب اس آیت کے:

قال الله تعالى: ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ﴾ [آل عمران: ۷]

”وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں پختہ ہیں سو جڑ ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں کئی طرف ملتی۔“

اسی واسطے امام بخاری نے آیت ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ﴾ [القمر: ۱۷] کی

تفصیل میں لکھاہے: أي للحفظ یعنی آسان ہے کلام اللہ واسطے حفظ کے۔ اگر قرآن بہت سہل ہوتا تو حضرت ﷺ اللّٰهم علّمه القرآن ابن عباسؓ کے حق میں کیوں دعا کرتے؟ یعنی اے اللہ! سکھا دے اس کو قرآن۔ اور اللہ جلّ شانہٗ قرآن شریف کے حق میں ﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا﴾ [البقرة: ٢٦] کیوں فرماتا؟ یعنی گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ساتھ کلام اللہ کے بہتوں کو۔ اور بہتّر فرقوں کا تمسک آیات سے کیوں ہوتا؟

کلام اللہ کے مشکل ہونے پر دال ہے یہ آیت: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ [الأنعام: ٣٨] یعنی جمیع علوم اور مسائل کلام اللہ میں موجود ہیں۔ بلکہ آیت: ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ [القيامة: ١٩] اور آیہ: ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [البقرة: ١٢٩] قرآن کے اشکال (مشکل ہونے) پر دال ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے کو فقط سورۂ بقرہ آٹھ برس میں تعلیم کیا۔ روایت اس کو موطا میں۔

اب فرمائیے اگر قرآن ہر شخص کو سہل اور آسان ہے تو جمیع مسائل کلام اللہ سے ثابت کر دو۔ بلکہ سمجھ قرآن کی علمائے حقانی کو خدا تعالیٰ عطا فرماتا ہے جیسا کہ لکھا ہے امام غزالی نے احیاء العلوم میں نیچے اس آیت کے: قال الله تعالى:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنكبوت: ٦٩]

یعنی وہ لوگ جو مجاہدہ کرتے ہیں بیچ دین اللہ کے البتہ ہدایت کرتے ہیں ہم ان کو راستوں اپنوں کی۔

اور لکھا ہے امام شعرانی نے کہ جب لوگ امام اعظم صاحب سے پوچھنے لگے کہ آپ مسائل کہاں سے نکالتے ہیں؟ فرمایا کہ میں سب مسائل کلام اللہ سے نکالتا ہوں اور یہ آیت شاہدِ حال اپنے پر ہے: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ یہ ثمرہ ان کے زہد کا تھا۔

بس جس شخص کو یہ رتبہ حاصل نہ ہو بلکہ امامانِ دین پر طعن کرے مناسب حال اس کے کے یہ شعر پڑھنا خوب ہے۔ بیت:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

واللہ اعلم و علمہ اتم۔

(۷) مضمون صفحہ ۶

"جیسے صحتِ حدیث کے لیے سند حضرت ﷺ تک ضروری ہے ایسا ہی روایاتِ فقہیہ کی سند امام تک پہنچانی ضروری ہے۔"

اقول و باللہ التوفیق:

روایاتِ فقہیہ کا پایا جانا کتبِ معتبرہ میں بلا نکیر کے سندِ کامل ہے یعنی ہر زمانہ کے علماء ان روایات کو امام یا صاحبین کے سمجھ کر عمل کرتے آتے ہیں۔ پس ثبوت سند کا متواتر ہے۔

قال صاحب الدرر وصاحب فتح القدير: النقول عن الكتب المعتمدة كالمتواتر وعن معتبر مشهور كالمشهور وعن النادر والمعتبر كالآحاد ... انتهى

لیکن عمل کرنا غیر مقلدوں کا اوپر کتبِ احادیث کے مشکل ہے کیونکہ مصنفینِ کتبِ احادیث سب مقلد ہیں جیسا کہ گزر چکا حال امام بخاری وغیرہ کا پس ان پر لازم ہے کہ جس حدیث کے رواۃ سب غیر مقلد ہوں بجز اس کے اور سے تمسک نہ پکڑیں حالانکہ بعد ائمہ اربعہ کے کوئی مجتہد نہیں پایا گیا جیسا کہ نقل کیا ہے مولوی عبدالحی صاحب نے نافع کبیر میں:

قال ابن حجر: نقل الصلاح عن بعض الاصولين أنه لم يوجد بعد عصر الشافعي مجتهد مستقل. انتهى

ترجمہ: ”نہیں پایا گیا بعد زمانہ امام شافعی کے کوئی مجتہد پورا۔“

وفى الميزان لعبد الوهاب الشعراني: قد نقل السيوطي أنّ الاجتهاد المطلق على قسمين: مطلق غير منتسب كما عليه الأئمة الأربعة ومطلق منتسب كما عليه أكابر أصحابهم. قال: ولم يدع الاجتهاد المطلق غير المنتسب بعد الأئمة الأربعة إلا الإمام محمد بن جرير الطبري ولم يسلم له ذلك. انتهى

(۷) مضمون صفحہ ٦

”جو شبہ وارد کرتے ہیں اوپر غیر مقلدین کے کہ جہاں دو حدیثیں مختلف ہوں معنوں اور حکم میں پس عمل حدیث پر کس طرح ہو سکے گا؟ یہ شبہ بعینہٖ وارد ہوتا ہے مقلدین پر بسبب اس کے کہ روایات امام کی اکثر مختلف ہیں۔“

اقول وباللہ التوفیق:

مقلدین پر یہ شبہ بالکل وارد نہیں ہوتا کیونکہ کتبِ معتبرہ میں قواعد واسطے عمل کرنے روایاتِ مختلفہ پر موجود ہیں۔ بموجب ان قواعد کے عمل درآمد مقلدوں کا ہے:

إن كانت المسئلة مختلفا فيها فإن كان مع أبي حنيفة أحد صاحبيه يأخذ بقولهما وإلا فإن كانت اختلافهم اختلاف عصر وزمان يأخذ بقول صاحبيه لتغير أحوال الناس وفي المزارعة والمعاملة ونحوهما يختار لاجتماع المتأخرين وفيما سوى ذلك قال بعضهم بتخيير المجتهد وقال عبد الله بن

المبارك يأخذ يقول أبي حنيفه رحمة الله عليه. كذا في فتاوی قاضی خان

لیکن غیر مقلدوں کو اس شبہ کا جواب بالصواب دینا مشکل ہے کیونکہ کوئی حدیثِ صریح صحاحِ ستہ میں واسطے قواعدِ احادیث مختلفہ کے مذکور نہیں، اگر کوئی ہے تو نشان دو۔ قواعد تطبیقِ احادیث کے جو علماء نے بیان کیے ہیں ان کے موافق بھی عمل کرنا ان کو درست نہیں کیونکہ جب ثبوت ان کا کسی حدیث صریح سے نہ ہوا ان کے نزدیک بدعت ہوئی ورنہ عامل بالحدیث ایک دعویٰ زبانی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۸) مضمون صفحہ ۹

"موطأ اور صحیحین کی حدیثیں اور آثار کمالِ صحت کو پہنچ چکے ہیں۔ ان کتابوں کی حدیث پر عمل کرنے والے کو کچھ تحقیق ضرور نہیں۔"

اقول وباللہ التوفیق:

اگر بے تحقیق عمل کرو گے تو ضرور لوطی اور شراب خور تم کو بننا پڑے گا جیسا کہ گزر چکا بیان اس کا پیچ جواب مضمون تیسرے کے۔

(۹) مضمون صفحہ ۱۰

"مجتہد کی خطا پر مقلد قائل نہیں، جو روایت امام کی مخالف ہو یا مطابق اس پر عمل کرتے ہیں اور یہ مذہب معتزلہ کا ہے۔"

اقول وباللہ التوفیق:

یہ بالکل افترا اور بہتان ہے۔ سب مقلد مجتہد کو مصیب اور مخطی باعتبار عموم کے کہتے ہیں لیکن کسی مسئلہ خاص میں بسبب بے علمی اور جہالت کے نسبت خطا کی طرف مجتہد کے کرنا گمراہی ہے۔ چنانچہ منار میں لکھا ہے:

وحكم القياس الإصابة بغالب الرأي حتى قلنا إن المجتهد يخطي ويصيب والحق في موضع الخلاف واحد ولكن لا يعلم ذلك الواحد باليقين فلهذا قلنا بحقية المذاهب الأربعة. انتهى

(۱۰) مضمون صفحہ ۱۰

"حکم قاضی کا نکاح اور طلاق میں اگرچہ بموجب گواہی جھوٹی کے ہو ظاہر اور باطن میں نافذ یعنی اللہ کے نزدیک بھی اس کو پکڑ نہیں ہوگی اور حالانکہ یہ حکم بموجب حدیث: "فمن قضيت له بحق مسلم فإنما هي قطعة من النار." (جس شخص کو حکم لگاؤں میں ساتھ حق کسی مسلمان کے پس بے شک وہ ایک قطعہ ہے آگ کا) باطل ہے۔

اقول وباللہ التوفیق:

یہ روایت امام کی ہے اور سند اس کی حکم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے واسطے ایک عورت کے جو اس پر ایک شخص نے دعویٰ نکاح کا کیا اور گواہ گزارے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لے جا اس عورت کو۔ اس عورت نے کہا اس نے جھوٹے گواہ قائم کر کے نکاح ثابت کر لیا، حقیقت میں نکاح میرا اس سے نہیں ہے، اب آپ میرا نکاح اس سے پڑھا دو۔ فرمایا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ "شاهداك زوّجاك" یعنی گواہوں تیرے نے نکاح کر دیا تیرا۔

قال في فتح القدير: ادّعى رجل نكاح امرأة بين يدي عليّ رضي الله عنه فقضى بالنكاح فقالت: إن لم يكن بدّ يا أمير

المؤمنين رضي الله تعالى عنه فزوّجني. فقال: شاهداك زوجاك. ولو لم ينعقد بينهما بقضائه لما امتنع عليّ رضي الله عنه من تجديد نكاح عند طلبها ورغبة الزوج فيها. انتهى.

فالطعن على هذه الرواية في الحقيقه طعن على أمير المؤمنين علي رضي الله عنه مثل الخوارج بل طعن على خير الأنام لقوله عليه السلام: أنا مدينةالعلم وعليّ بابها.

”پس طعن کرنا اس روایت پر حقیقت میں طعن ہے اوپر حضرت علیؓ کے مثل خارجیوں کے بلکہ اوپر حضرت رسولِ خدا ﷺ نے میں شہر علم کا ہوں اور علی دروازہ اس کا۔“

فی الحقیقت میں جو گواہی بظاہر سچی معلوم ہو اس کی تاثیر باطن کو پہنچتی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کو مسلمان لوگ اچھا جانیں تو وہ شخص اللہ کے نزدیک بہشتی ہو جاتا ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات کے وقت افراط تفریط اعمالِ حکومت کی سے بہت رو رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عباس نے فرمایا کہ تم نے حکومت اپنی میں کوئی قصور نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ شہادت تحریر کرا کر اپنے بیٹے سے وصیت کی کہ وقت دفن میرے کے یہ کاغذ میری چھاتی پر رکھ دینا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد وفات کے اپنے بیٹے سے خواب میں کہا کہ اگر گواہی نہ ہوتی تو میں ایک معاملہ میں پکڑا گیا تھا لیکن بسبب گواہی کے رہا ہوا۔

اس طرح کے بہت زیادہ دلائل ہیں اور حدیث میں کہ "قضیت له... الخ" میں

ذکر نکاح کا نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث زمین کے مقدمہ میں وارد ہے۔ چنانچہ لفظ ''قطع'' کا صاف دال ہے اس امر پر۔ اگر بالفرض نکاح وغیرہ کو اس کے منہ میں داخل کریں تو روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخصص اس کی ہو سکتی ہے اور مانع نہ آنا حضرت علی کو کسی صحابی کا (یعنی کسی صحابی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی مخالفت کرنا) اس حکم سے مثبت اجماع کا ہے اور باقی جوابات اس حدیث کے کتب مطولہ میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۱۱) مضمون صفحہ ۱۱

''جو کوئی شخص اپنی محرماتِ ابدیہ سے جان کر بعد نکاح کے صحبت کرے اس پر حد نہیں آتی۔ یہ حکم ہدایہ کا مخالف آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ... الآية﴾ [النساء: ۲۳] یہ اور حدیث "أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى رجل تزوج امرأة أبيه أن آتيه برأسه" اور حدیث "من نكح محرما فاقتلوه" کے ہے۔''

اقول وباللہ التوفیق:

یہ مذہب امام کا ہے اور صاحبین کے نزدیک برابر حد لازم ہے اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

قال في الدرر: لا حد بشبهة العقد عند الإمام كوطى محرم نكحها وقالا إن علم بالحرمة حدّ وعليه الفتوى. انتهى

اور سند قولِ امام کی یہ ہے کہ بسبب کرنے نکاح کے اس کے زنا ہونے میں شبہ پڑا۔ جس وطی میں شبہ پڑ جاوے اگرچہ محرمات سے ہو اس سے حد نہیں آتی موجب قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ ''حدود دور ہو جاتے ہیں شبہ پڑھنے سے'' اور ملا علی قاری نے ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یوں نقل کی ہے:

ادرؤوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فإن وجدتم للمسلم مخرجا فخلوا سبيله.

جیسا کہ اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کی لونڈی سے جان بوجھ کر وطی کرے اس پر حد زنا کی کسی امام کے نزدیک لازم نہیں آتی بسبب حدیث "أنت ومالك لأبيك" کہ یعنی تو اور مال تیرا واسطے پدر (والد) تیرے کے ہے۔

اگر بالفرض امام کو اس مسئلے میں مخطی سمجھا جاوے تو بھی امام بموجب حدیث "إن أخطأ فله أجر" کے مشابہ ہوئے۔ باقی رہے مقلد سو اس مسئلہ میں امام کی روایت پر فتویٰ نہیں۔

پھر طعن امام یا مقلدین پر خالی گمراہی سے نہیں جو کہ تم نے آیت اور احادیث واسطے اثبات حد کے بیان کیے ہیں ان میں یہ ذکر نہیں کہ جو شخص محرّمات سے نکاح کر کے وطی کرے تو اس پر حد لازم آتی ہے۔ آیت میں صرف حرمت نکاحِ محرمات کی بدوں ذکر حد کے بیان ہے۔ دونوں حدیثوں مذکورہ میں بھی صرف ذکر قتل کرنے کا ہے بسبب نکاح کے اور یہ حکم واسطے مرتد کے ہوتا ہے۔ پس یہ حکم اس شخص پر جاری کیا جاوے گا کہ جو شخص اس نکاح کو درست جان کر مرتد ہوا۔ اسی واسطے بعض روایات میں ضبط کرنا مال اس کے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ کذا قال فی فتح القدیر

پس واسطے دعویٰ حد زنا کہ جو جلد اور رجم ہے دلائل حرمت اور قتل کے پیش کرنے دال اوپر کمال جہالت کے ہے۔ یہ وہ مثل ہے:

چہ خوش گفت ست سعدی در زلیخا
ألا يا أيها الساقي أدر كأسا و ناولها

بلکہ اس وطی پر تعریف زنا کی امام کے نزدیک صادق نہیں آتی کیونکہ زنا اس وطی کا نام

ہے کہ جس میں ملکِ یمین اور نکاح اور شبہ نکاح وغیرہ کا نہ ہو۔ پس ایسی کوئی آیت یا حدیث بیان کرو کہ جس میں یہ ذکر ہو کہ جو شخص محرماتِ ابدی سے نکاح کر کے وطی کرے اس شخص پر بسبب اس وطی کے حد زنا کی لازم ہے ورنہ واہی تباہی کلمات سے جو موجب اہانت امامانِ دین کے ہیں باز آؤ۔ والله یهدی من یشاء الی سبیل الرشاد

ایک جواب اس کا مولوی عبدالعزیز صاحب برادرِ حقیقی اس عاجز نے یوں بیان کیا ہے:

اقول وباللہ التوفیق:

بعد نکاح محرمات کے وطی کرنے سے بموجب ایک روایت فقہ کے حق کا لازم نہ آنا ہم حنفیوں کو مضر اور مخالف نہیں ہو سکتا کیونکہ مذہب حنفی عبارت ان روایات اور مسائل سے ہے کہ جن کو ائمہ حنفیہ نے معمول اور مفتیٰ بہٖ قرار دیا ہے اور یہ روایت اس قسم سے نہیں جیسے اطاعت اللہ اور رسول کی عبارت استعمال ان مسائل سے ہے کہ جو علمائے امّت نے بعد تمیز ناسخ اور منسوخ اور دفع تناقض اور تخالف کے حاصل کر کے ارقام کی ہیں کیونکہ بعض روایات کتب حدیث میں مثل بخاری وغیرہ کے ایسی موجود ہیں کہ جو عقل اور نقل کے مخالف معلوم ہوتی ہیں جیسے وطی فی الدبر کی روایات بخاری کی کتاب التفسیر میں تفسیر آیہ ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ﴾ [البقرۃ: ۲۲۳] میں موجود ہے لیکن معمول اور مفتیٰ بہٖ ائمہ دین کی نہیں۔

پس جو کوئی روایتِ فقہیہ غیر مفتیٰ بہٖ کو کتبِ فقہ سے اخذ کر کے حنفیوں پر اعتراض کرتا ہے ایسا ہی جیسے کوئی یہودی یا نصرانی آیت اور حدیثِ مذکورہ دیکھ کر دینِ محمدی پر طعن کرے بلکہ صورتِ مذکورہ میں تو غیر مقلدین سے اعتراض اور طعن سخت وارد ہوتا ہے کیونکہ وہ قائل اس امر کے ہیں کہ بخاری اور مسلم کی روایت پر بلا تحقیق عمل کرنا جائز ہے۔

پس اس صورت میں حضرات غیر مقلدین کے نزدیک امام بخاری بلکہ اللہ اور رسول ہی مطعون ٹھہرے۔ أعاذنا الله سبحانه من ذالك.

هذا ما اكتفينا به فى الجواب تسهيلا للكلام وفاقا لفهم العوام، كلموا الناس على قدر عقولهم وإلا فالجواب التحقيقي ظاهر عند ذوى الأفهام لا نكتبها اعتقادا على تحقيق ذوى الأحلام. والله يهدى من يشاء إلى صراط مستقيم

(۱۲)مضمون صفحہ ۱۲

”کم ہیں ایسے مسئلہ کہ متفق ہوں امام کے ساتھ شاگردان کے۔ اگر تقلید امام کی واجب ہوتی تو شاگرد اُن کے اختلاف نہ کرتے۔“

اقول وباللہ التوفیق:

مذہب حنفی عبارت ہے روایات امام اور شاگردوں کی سے۔ جیسا کہ فرمایا شاہ ولی اللہ صاحب نے ”انصاف“میں:

وإنما عدّ مذهب أبي حنيفة مع صاحبه مذهبا واحدا (بے شک شمار کیا گیا مذہب امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مذہب ایک) لعدم تجاوزهما عن محجة إبراهيم. انتهى ملخصا

علاوہ اس کے شاگردوں امام کے مجتہد فی المذہب تھے۔ مجتہد فی المذہب اس کا نام ہے کہ جو شخص امام کے قواعد پر عمل کرکے استنباط مسائل کا کرے، اگرچہ اجتہاد ان کا مخالف ہو امام کے۔

واعلم أن المجتهد على ثلاثة اقسام: أحدها المجتهد المطلق المستقل وثانيها المجتهد المطلق المنتسب هو أن

ينتسب إلى إمام معين لكن لا يقلده لا في المذهب ولا في الدليل وإنما انتسب إليه لسلوكه طريقه في الاجتهاد. وفي الميزان: أنّ أبا يوسف ومحمدا مع أبي حنيفة في هذا القسم من الاجتهاد. انتهي ملخصا ما في النافع الكبير.

حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ مجتہد فی المذہب کو تقلید امام کی اصول میں ضرور ہے نہ جزئیات میں۔ مثال اس کی یہ ہے کہ ایک وکیل نے تعزیراتِ ہند کی ایک دفعہ کے بموجب ملزم کو بری کرانا چاہا اور اس دوسرے وکیل نے بھی بموجب تعزیراتِ ہند کے اسے مستحق قید کا ٹھہرایا حالانکہ دونوں وکیل مقلد تعزیرات کے ہیں جس وکیل کا فکر حاکم کو موافق ترسات قوانین کے معلوم ہوتا ہے اس پر حکم کرتا ہے اسی طرح علماء بموجب آیت ﴿وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [الزمر: ۵۵] کے روایاتِ قویہ پر عمل کرتے ہیں یعنی جس کا ثبوت ادلۂ اربعہ سے واضح تر ہے اس کو مفتٰی بہ سمجھتے ہیں لیکن یہ رتبہ اب کسی عالم کو نہیں ہے۔ اس رتبہ کے بھی عالم گزر چکے ہیں۔

قال في النافع الكبير: الطبقة الرابعة طبقة أصحاب الترجيح من المقلدين كصاحب القدوري وصاحب الهداية وأمثالهم وشأنهم تفضيل بعض الروايات على بعض. انتهى ملخصا

یعنی صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ کو یہ مرتبہ ترجیح کا حاصل تھا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۱۳)مضمون صفحہ ۱۵

"شاگرد امام کے اصول میں بھی ساتھ امام کے مختلف ہیں۔ پھر ان کا مقلد ہونا بموجب اصول کے بھی غلط ہوا۔"

اقول وباللہ التوفیق:

قواعدِ اصلیہ میں ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ امام صاحب کے مقلد ہیں جیسا کہ لکھا ہے ابن کمال رومی نے بیچ رسالہ اپنے کے:

المجتهد فى المذهب كأبي يوسف ومحمد وغيرها وإن خالفوا الامام فى بعض الفروع لكنهم ويقلدونه في استخراج الأحكام من الأدلّة على مقتضى القواعد التي قررها أستاذه. انتهى ملخصا

یعنی جو قواعد امام صاحب نے واسطے استخراجِ مسائل کے قرار دیے ہیں عمل درآمد شاگردوں کا انہی پر ہے۔

فائدہ: پس قواعدِ مختلفہ بھی فروعات ہیں قواعدِ اصلیہ کے۔ علاوہ بریں جب مذہب حنفیہ عبارت ہوا روایاتِ مفتٰی بہ امام اور شاگردوں ان کے سے، جیسا کہ لکھا ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے پس ورود اس اعتراض کا بالکل نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔

(۱۴)مضمون صفحہ ۱۴

"جمعہ پڑھتے ہیں تمام حکومت کفار میں حنفی اور حالانکہ بسبب نہ پائے جانے شروطِ جمعہ کے امام صاحب کے نزدیک جمعہ درست نہیں اور بعد جمعہ کے ظہر کو لازم جانتے ہیں۔ ایک وقت میں جمعہ اور ظہر دونوں کا فرض ہونا کسی امام سے ثابت نہیں۔"

اقول وباللہ التوفیق:

بعض علماء اس عمل کو واسطے احتیاط کے کرتے ہیں کیونکہ بموجب مذہب امام اعظم کے بسبب نہ پائے جانے شروط کے جمعہ واجب نہ ہوا، پڑھنا ظہر کا ضرور ٹھہرا اور بموجب مذہبِ امام شافعی کے جمعہ پڑھنا فرض ہے نہ ظہر، پس جس شخص نے دونوں کو بایں نیت ادا کیا کہ واجب اور لازم دونوں میں سے ایک ہے تو یہ شخص ماجور ہوگا جیسا کہ ایک شخص کو نماز ظہر کی پڑھ کر شک پڑے کہ شاید چار پڑھی ہیں یا تین تو اس شخص کو لازم ہے کہ پھر ظہر کا اعادہ کرے۔ جب بندے کے شک سے دوبارہ ادا کرنا لازم ہوا اور جمعہ میں شک اَزرُوے احادیثِ مختلفہ کے پیدا ہوا ہے تو ظہر کا پڑھنا واسطے رفع شک کے کیونکر منع ہوگا؟

اور یہ حدیث صاف دال ہے اس مضمون پر:

عن نافع أن رجلا سال عبد الله بن عمر فقال: إني أصلي في بيتي ثم أدرك الصلاة مع الإمام أفأصلي معه؟ فقال له عبد الله بن عمر: نعم. قال الرجل: أيتهما أجعل صلاتي؟ قال له ابن عمر: أو ذلك إليك؟ إنما ذلك إلى الله يجعل أيتهما شاء. رواه مالك في موطاه

یعنی ایک شخص نے پوچھا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تحقیق نماز پڑھی میں نے گھر میں پھر جماعت ملی مجھ کو، پس مل جاؤں جماعت میں؟ کہا عبد اللہ بن عمرؓ نے ہاں پڑھ۔ کہا اس شخص نے کہ فرض دونوں میں سے کس کو قرار دوں؟ فرمایا عبد اللہ بن عمرؓ نے کہ یہ تیرا اختیار نہیں بلکہ اس کا اختیار خدا کو ہے۔

فائدہ: جیسا کہ یہاں ایک کا فرض ہونا نمازی کو معلوم ہے اسی طرح جمعہ اور ظہر کا حال ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۱۵) مضمون صفحہ ۱۸

”بعضے علماء حنفی اذان کے وقت أشهد أنّ محمّدًا رسول الله کے جواب میں انگلیاں چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں اور کہیں نشان نہیں دیتے، پس کرتے ہیں جو جی چاہتا ہے۔“

اقول وباللہ التوفیق:

حدیث اس کی رسالہ موضوعات ملاعلی قاری میں موجود ہے اور اس کے موضوع اور صحیح ہونے میں اختلاف بیان کیا ہے اور آخر میں ایک قول توقف کا نقل کیا ہے یعنی کرنے والے پر انکار نہ کرے اور کرنے کی کسی کو رغبت نہ دے۔

قال القاري: مسح العينين بباطن أنملتي السبابتين بعد تقبلهما عند سماع قول المؤذن: أشهد أن محمدا رسول الله مع قوله أشهد أنّ محمّدا عبده ورسوله رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد نبيا. ذكره الديلمي في الفردوس من حديث أبي بكر الصديق أن النبي صلّى الله عليه وسلم قال: من فعل ذلك فقد حلت عليه شفاعتي. قال السخاوي: لا يصح. وأورده الشيخ الروّاد في كتابه "موجبات الرحمة" بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام وكلّ ما يروى في هذا فلا يصح رفعه البتة وإذا ثبت رفعه إلى الصديق فيكفي للعمل به لقوله عليه السلام: عليكم بسنتي وسنّة الخلفاء الراشدين وقيل

لا يفعل ولا ينهى وغرابته لا يخفى على ذي النهى. انتهى

اور اپنے دل کی خواہش پر تو تم لوگوں کا عمل ہے جیسا کہ جمع کرنا نماز کا بے عذر اور تین طلاق کے بعد حلالہ نہ کرنا اور تراویح کی آٹھ رکعت پڑھنا کسی امام کے نزدیک درست نہیں اور تم لوگ بسبب آسانی کے جو نفس کو پسند ہے ان امور پر عامل ہو۔

اور جو لوگ مقلد کہلا کر بدعات کا رواج دیتے ہیں وہ لوگ بھی حقیقت میں مقلد نہیں، نسبت ان کی ساتھ منکرینِ تقلید کے مثل نسبت فاسق کے ساتھ کافر کی ہے یعنی جیسے کہ کافر منکر اصل دین کا ہے اور فاسق دین کو مان کر عمل منکروں کی طرح کرتا ہے۔ ایسا ہی بدعتی مقلد کہلا کر بدعات پر خلاف امام کے عمل کرتا ہے اور غیر مقلد اصل تقلید کا منکر ہے۔ واللہ یہدی من یشاء۔

(۱۶) مضمون صفحہ ۱۹

”اگر اس کہنے سے کہ بے تقلید کام نہیں چلتا یہ مراد ہے کہ جو مسئلہ صراحۃً کلام اللہ اور حدیث شریف اور اجماع سے ثابت نہ ہو تو اس میں تقلید کرنی چاہیے۔ یہ بات کسی کے نزدیک ناجائز اور ممنوع نہیں۔“

اقول و باللہ التوفیق:

امام صاحب کا مذہب یہی ہے کہ جہاں آیت اور حدیث لائقِ عمل نہ ملے اور اجماع بھی نہ ہوا ہو قیاس پر عمل کرنا چاہیے تو پھر کس طرح مقتدا تمھارے تقلیدِ امام کو شرک کہتے ہیں؟ جب مقلد نے قول امام کا مبین کسی دلیل کا سمجھ کر مانا تو یہ شرک فی الرسالت کیوں کر ہوئی؟ ورنہ معاذ اللہ جمیع اولیائے کرام اور صلحائے عظام جو شمار ان کا بجز باری کے کسی کو معلوم نہیں، مشرک ہوئے۔ خدا سے ڈرو، ایمان کو ہاتھ سے نہ دو کیونکہ موحّدوں کو مشرک کہنے والا کافروں میں داخل ہے۔

امامِ ربانی نے اپنے مکتوبات کی دوسری جلد میں یوں فرمایا ہے:

"امام ابوحنیفہ در تقلیدِ سنّت از ہمہ پیشِ قدم ست احادیث مرسل بلکہ قولِ صحابی را بر رائے خود مقدم می دارد ودیگران نہ چنین اند مع ذلک مخالفان او را صاحب رائے می دانند خدای تعالیٰ ایشان را توفیق دہادکہ آزار رأسِ دین ورئیسِ اسلام نہ نمایند یریدون لیطفئوا نور اللہ بأفواھھم اگر این اعتقاد دارند کہ ایشان برای خود حکم می کنند ومتابعتِ کتاب وسنّت نمی نمودند پس سوادِ اعظم از اہلِ اسلام بزعمِ فاسدِ ایشان از جرگہ اہلِ اسلام بیرون بود این اعتقاد نہ کند مگر جاہلے یا زندیقے ناقصے چند احادیث رایاد گرفتہ واحکامِ شرعیہ را دران منحصر ساختہ ماورای معلومِ خود را نفی می نماید۔ بیت:

چو آن کرمے کہ در سنگے نہان ست
زمین و آسمانِ او ہمان ست

وای ہزار وای از تعصّب باردِ ایشان ذوالنون وبسطامی وجنید وشبلی بازید وبکر وعمر کہ از عوام مؤمنانندور تقلید مجتہدان دراحکام اجتہادیہ مساوی اند۔ انتہی ملخصًا۔

(۱۸) مضمون صفحہ ۲۰

"مراد اہلِ ذکر سے آیت ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [النحل: ٤٣] میں اہلِ کتاب ہیں۔ اگر علماء بھی لیجیے تو بھی مفید نہیں کیونکہ اس میں کسی شخص کی تقلید کا ذکر نہیں۔"

اقول وباللہ التوفیق:

مراد اہلِ ذکر سے اہل کتاب کا ہونا گویا آیت کو منسوخ کرنا ہے۔ اگر با اعتبار شانِ نزول

کے مراد لی جائے تو یہ مضر نہیں تعمیم آیت کو جیسا کہ آیت ہاتھ کاٹ ڈالنے کی بسبب سرقہ باعتبار شانِ نزول کے کسی سارق کے حق میں نازل ہوئی تھی لیکن یہ حکم ہر سارق کو برابر ہے غرض خصوصیت شانِ نزول کی عمومیتِ نصوص کو مضر نہیں ورنہ کلام اللہ سے احکام بعض اشخاص کے نکلتے اور باقی تمام امّت مطلق العنان اور مہمل ہوتے۔ معاذ اللہ منہا۔

جب مراد اہلِ ذکر سے عالم ہوئے پس اس سے ثبوت تقلیدِ معین کا أظہر من الشمس وأبين من الامس ہے جیسا کہ ورود آیت اقیموا الصلوۃ کا واسطے فرضیتِ نماز کے بدون خصوص کے ہے حالانکہ ہر شخص پر ادا کرنا نماز کا فرض ہے۔ اسی طرح بے علم کو بموجب اس آیت کے تقلید کسی ذی علم کی کرنی چاہیے۔ چنانچہ مسئلہ تقلیدِ معین کا ہم نے علماء سے دریافت کیا۔ جمیع علمائے حرمین شریفین اور دیگر علمائے معتبرین نے شرق سے غرب تک وجوب کا فتویٰ دیا اور اس کا نام "تحفۃ العرب والعجم" رکھ کر چھپوا دیا۔

پس بموجب اس آیت اور آیت ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى﴾ [النساء: ١١٥] اور حدیث لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ وغیرہ کے منکر تقلیدِ معین کا ضال ہوا۔ مولوی نذیر حسین صاحب بنگالی کو جو قلمرو اہلِ اسلام سے خارج ہے اہلِ ذکر سمجھنا اور علماء حرمین شریفین وغیرہ کو اہلِ ذکر سے نہ سمجھنا بڑی بے سمجھی ہے کیونکہ سکانِ حرمین کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے اور بنگالی ساتھ جادوگری اور شعبدہ بازی کے مشہور ہیں۔ چنانچہ مولوی نذیر حسین صاحب نے بنگالیت کو بعد عذر کے پیرایۂ غیر مقلدی میں ظاہر کیا۔ ﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا﴾ [البقرة: ٢٦]

(۱۸) مضمون صفحہ ۲۰

مقلدین واسطے ثبوتِ تقلیدِ معین کے اس آیت کو دلیل پکڑتے ہیں اور حالانکہ یہ آیت عام ہے: قال الله تعالى:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء: ٥٩]

یعنی تابعداری کرو خدا کی اور رسول خدا کی اور حاکموں اہلِ اسلام کی۔

اور اگر اولی الامر سے مراد علماء لیجیے تو تخصیص ابو حنیفہ کی سوائے باقی ائمہ کے کہاں سے نکلتی ہے؟

اقول وباللہ التوفیق:

علمائے محققین کے نزدیک تقلید ایک امام کی ائمہ اربعہ سے واجب ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کافر تھا، پھر اللہ نے اس کو اسلام سے مشرف کیا اگر ایسے مقام میں مسلمان ہوا کہ جہاں مذاہب اربعہ کے علماء موجود ہیں حرمین شریفین کے تو اس شخص کو اختیار ہے کہ ایک مذہب کو اختیار کر لے۔

قال الملا على القاري فى بعض تصانيفه: وجب عليه حتما أن يعين مذهبا من هذه المذاهب إما مذهب الشافعى فى جميع الفروع وإما مذهب المالك أو غيره وليس له أن ينتحل من مذهب الشافعي ما يهواه ومن مذهب غيره في الباقي ما يرضاه؛ لأنا لو جوّزنا ذلك لأدّى إلى الخبط والخروج عن الضبط، حاصله يرجع إلى نفي التكليف؛ لأن مذهب الشافعيّ مثلا إذا اقتضى تحريم شيء ومذهب غيره إباحة ذلك الشيء أو عكس ذلك فهو إن شاء مال إلى الحلال وإن شاء مال إلى الحرام. فلا يتحقق الحل

والحرمة حينئذ ففي ذلك إعدام التكليف وإبطال فائدته واستيصال قاعدته وذلك باطل. انتهى

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ کہا ملا علی قاری نے بیچ بعض تصنیف اپنی کے کہ واجب ہے اس پر کہ معین کرے ایک مذہب کو مذاہبِ اربعہ سے یعنی یا شافعی ہو جمیع مسائل میں یا حنفی علیٰ ہذا القیاس اور نہیں اس کو کہ لیوے مذہب شافعی سے بعض مسائل موافق خواہش اپنے کے اور مذہب غیر سے باقی مسائل اپنی پسند کے موافق کیونکہ اگر جائز رکھیں ہم اس کو تو البتہ پہنچاوے گا طرف انکارِ تکلیف کے۔ اس واسطے کہ مذہب امام شافعی کا مثلاً مقتضی ہوا حرمت ایک شے کو اور مذہب غیر کا مقتضی ہوا اباحت اس کی کو، پس اگر وہ شخص بموجب خواہش اپنی کے کبھی حلال بنالیوے اس شئے کو اور کبھی حرام تو اس سے دور کر دینا شریعت کا لازم آتا ہے اور وہ شخص اس آیت کی وعید میں داخل ہوگا:

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ... الآية﴾ [الجاثية: ٢٣]

قال شاه ولي الله في الإنصاف: بعد المأتين ظهر فيهم التمذهب بأعيانهم وكان هذا هو الواجب في ذلك الزمان. انتهى ملخصا

"کہا شاہ ولی اللہ صاحب نے بیچ انصاف کے: بعد دو سو کے ظاہر ہوا ان میں پکڑنا ایک ایک مذہب کا اور تھا یہ واجب اس زمانہ میں۔"

وقال الشعراني في الميزان: وجب على العامي التقليد بمذهب واحد خوفا من الوقوع في الضلال وعليه عمل الناس اليوم. انتهى ملخصا

”کہا شیخ عبدالوہاب شعرانی نے میزان میں: واجب ہے عامی پر تقلید مذہب ایک کی، واسطے ڈر گمراہی کے اور اسی پر عمل ہے لوگوں کا اب۔“

امام غزالی اور پیرانِ پیر اور شیخ احمد سرہندی اور ہزارہا علماء کے کلام دال ہیں اوپر وجوبِ تقلید کے، اگر لکھی جائیں عبارتیں ان کی تو ایک کتاب عظیم الشان تیار ہو اور آیتِ مذکورہ بھی صاف دال ہے اوپر وجوبِ تقلیدِ معین کے بلکہ فرضیت پر کیونکہ اگر بموجب کہنے تمھارے کے ”اولی الامر“ سے حکام اہلِ اسلام کے مراد لیے جاویں چنانچہ امام بخاری بھی اس آیت کو کتاب الاحکام کی ابتدا میں لایا ہے، پس اطاعت حاکمِ اہلِ اسلام کی فرض ہوئی اور امام بخاری نے ایک باب واسطے وجوبِ اطاعتِ امام اور نائب اس کے منعقد کیا ہے۔ دو تین حدیثیں اس باب کی بطور اختصار کے بیان کرتا ہوں:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: اِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ. (صحيح البخاري: ج۹، ص۶۲)

فرمایا حضرت ﷺ نے سنو اور قبول کرو اگرچہ حاکم کیا جاوے تم پر غلام حبش کا۔

یعنی اگرچہ قوم حاکم کی رذیل ہو لیکن بعد حاکم ہونے اس کے کے اطاعت اس کی لازم ہے اور ایک حدیث میں اطاعت کو مقید کیا ہے ساتھ "ما لم يأمر بمعصية" کے یعنی جب تک حکم نہ کرے ساتھ گناہ کے یعنی اگر ایسا حکم لگاوے کہ وہ حکم مخالف کسی آیت یا حدیث کے ہو اس وقت اس کی اطاعت منع ہے کیونکہ اس سے اطاعت قرآن اور حدیث کی دور ہوتی ہے اور فرمایا حضرت ﷺ نے:

مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَكَرِهَهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوت إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً.

(صحيح البخاري: ۹/ ۶۲)

"جس شخص نے دیکھا حاکم اپنے سے کوئی امر پس برا معلوم ہوا اس کو پس چاہیے
کہ صبر کرے کیونکہ جو شخص جدا ہوا جماعت سے ایک بالشت بھر، پھر مر گیا، مرنا
اس کا جاہلیت کا ہے۔"

اس حدیث سے کمال درجہ کی فرمانبرداری ثابت ہوئی۔

پس خلاصہ مطلب آیات اور احادیثِ مذکورہ کا یہ ہے کہ اطاعت حاکمِ اہلِ اسلام کی بشرطیکہ وہ کام شرعاً گناہ نہ ہو فرض ہے۔ اگرچہ حاکم کے اعمال میں کچھ خلل ہو لیکن رعایا کو اطاعت اس کی سے برگشتہ ہونا بے دینی ہے۔ پس تقلید ایک امام کی ائمہ اربعہ سے واجب بلکہ فرض ہوئی کیونکہ قدیم الزمان سے تقلید حکومتِ اہلِ اسلام میں جاری ہے اور منکرِ تقلید پر سلطانِ روم سے حکم واسطے تعزیر کے نافذ ہے۔ پس منکر اس لزوم کا گویا منکر ہے قرآن اور احادیثِ نبویہ کا۔

سوال

اگر کوئی روایت امام کی مخالف قرآن یا حدیث کی ہو تو اس وقت عمل کرنا مذہب پر بموجب اطاعت حاکم کے کب درست ہے؟

جواب

پایا جانا روایت مفتیٰ بہٖ کا مخالف آیت یا حدیث کے بالکل محال ہے۔ اگر بالفرض ایسی روایت کہ جس کی سند آیت یا حدیث سے نہ ہو اور مخالف ہو ادلۂ قطعیہ کے اس وقت تقلید پر اڑنا گمراہی ہے لیکن آج تک کسی مخالف سے ثبوت ایسی روایت کا نہیں بن سکا کیونکہ جو اُن کے زعم میں بے سند معلوم ہوتی ہے علمائے حنفیہ نے ان کی سند کلام اللہ یا حدیث سے ثابت کر دی ہے۔

اگر "اولی الامر" سے مراد علماء ہوں تو بھی وجوب بلکہ فرضیت تقلید کی ثابت ہوتی ہے کیونکہ علماء ممالکِ اہلِ اسلام کے سب متفق ہیں اوپر گمراہ ہونے غیر مقلدین کے اور امّتِ

مقبولہ سے ہونا ان لوگوں کا بسبب غلبہ اور تسلط کے جو خدائے تعالیٰ نے بیچ اہلِ حق کے وعدہ فرمایا ہے آیات اور احادیث سے ثابت ہے:

قال الله تعالى: ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ [الأنبياء: ١٠٥]

فرمایا اللہ جلّ شانہٗ نے: اور البتہ تحقیق لکھا ہے ہم نے بیچ زبور کے پیچھے ذکر کے کہ تحقیق مالک ہوویں گے زمین کے بندے میرے نیک۔

فائدہ:

مراد عباد سے بالاتفاق امّتِ محمدیہ ہے اور زمینِ عرب وشام وروم ومصر وافغانستان وغیرہ میں ہمیشہ سے وراثت مقلدین کی چلی آئی ہے۔ پس یہ آیت صاف دال اوپر صالحین ہونے مقلدین کے۔

قال الله تعالى: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ [النور: ٥٥]

وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے کہ ایمان لائے تم میں سے اور کام کیے اچھے البتہ خلیفہ کرے گا ان کو بیچ زمین کے جیسا خلیفہ کیا تھا ان لوگوں کو کہ پہلے ان سے تھے اور البتہ ثابت کرے گا واسطے ان کے دین ان کا جو پسند ہے واسطے ان کے اور البتہ بدل دے گا ان کو پیچھے ڈر اُن کے کے امن۔

فائدہ:

ہر شخص پر ظاہر ہے کہ ورثہ خلافتِ زمین کا بطور غلبہ اور امن کے بجز مقلدین کے کسی

اہلِ اسلام کو نہیں ملا اور غیر مقلدین مثل باقی فرقہائے باطلہ کے ہمیشہ خوار اور ذلیل ہے اور ان کو کہیں امن نہیں حتیٰ کہ حکومت نصاری میں سبھی جہاں بڑی جماعت مقلدوں کی دیکھتے ہیں مقلد کہلا کر اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔ پس یہ لوگ ماصدق علیہ ان آیات کے کسی وجہ سے نہیں ہو سکتے اور اسی طرح حدیث:

لا يزال من أمتى أمة قائمة بأمر الله لا يضرّهم من خالفهم.

اور حدیث:

الجهاد ماض مذ بعثني الله إلى أن يقاتل آخر هذه الأمة الدجال. كما مر تحقيقهما فى جواب المضمون الثاني

دال ہے اوپر فضیلت مقلدین کے کیونکہ بجز سلطانِ روم کے اقامت جہاد کی کسی کو ہمیشہ حاصل نہیں اور وہ لوگ بڑے پابند مذہبِ معیّن کے ہیں۔ پس جب فضیلت مقلدین کی آیات اور احادیثِ مذکورہ سے بوجہِ احسن ثابت ہو چکی پس مخالف ان کا بموجب آیت:

﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى﴾ [النساء: ١١٥]

اور احادیث: من فارق الجماعة شبرا... الحديث اور لا تجتمع أمتى على الضلالة وغیرہ کے بہتّر میں داخل ہو کر ضال اور مضل ہوا۔ آیات اور احادیث دال اوپر حقیت تقلید کے بے شمار ہیں، کہاں تک ان اوراق میں بیان کیے جاویں۔ والله يهدي من يشاء الى صراط مستقيم۔

(۱۹) مضمون صفحہ ۲۲

حدیث میں آیا ہے:

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا

یعنی آسان کرو لوگوں پر دین اور مشکل نہ کرو۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر بعض مسائل کسی مذہب کے لیے اور بعض دوسرے مذہب سے واسطے آسانی کے تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ بشارت دی گئی ہے بموجب آیت:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ﴾

[الزمر: ۱۷-۱۸]

یعنی خوش خبری دے میرے بندوں کو جو سنتے ہیں باتیں، پھر اتباع کرتے ہیں بہتر بات کا۔

اقول و باللہ التوفیق:

مخاطب ساتھ اس حدیث کے حکام اہلِ اسلام کے ہیں کیونکہ اول اس حدیث کا یہ ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا بعث أحدا من الصحابة في بعض أمره قال: بشّروا ولا تنفّروا ويسّروا ولا تعسّروا. متفق عليه

یعنی تھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب بھیجتے کسی شخص کو حاکم بنا کر صحابہ میں سے بیچ بعض کام اپنے کے، فرماتے بشارت دینا لوگوں کو، نہ نفرت۔ آسانی کرنا لوگوں پر اور مشکل نہ کرنا ان پر۔

فائدہ:

یعنی اے حاکمو! تمھاری اطاعت بموجب آیت ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء: ۵۹] لوگوں پر لازم ہے۔ پس تم کو چاہیے کہ ہر شخص کو بموجب طاقت اس کی کے حکم دو۔ اور یہ مراد نہیں کہ ہر مذہب کے آسان آسان مسائل لے کر عمل کرو بلکہ شارحِ مشکاۃ طیبی جو بڑا محدث ہے اس نے اسی لفظ کی شرح میں لکھا ہے کہ جو شخص ہر مذہب سے آسان آسان مسائل لے کر عمل کرے وہ شخص

زندیق ہے اور جلال الدین سیوطی نے تواریخ الخلفاء میں لکھا ہے بیچ احوال معتضد باللہ کے جو وہ خلفاء عباسیہ سے سنہ ۲۷۹ ہجری میں تھا:

قال إسماعيل القاضي: دخلت على المعتضد بالله فدفع إليّ كتابا فإذا فيه قد جمع له الرخص من زلل العلماء فقلت: مصنفه زنديق. قال أمختلق؟ قلت لا، لكن من أباح المسكر لم يبح المتعة ومن أباح المتعة لم يبح الغناء. ما من عالم إلا وله زلّة ومن أخذ بزلل العلماء ذهب دينه. فأمر بالكتاب فأحرق. انتهى ملخصا

کہا اسماعیل قاضی نے کہ ایک روز گیا میں پاس سلطانِ وقت کے جو نام اس کا معتضد باللہ تھا، پس دی اس نے مجھ کو ایک کتاب، پس ناگہاں اس کتاب میں جمع کیے گئے تھے واسطے خلیفہ کے آسان آسان مسائل ہر مذہب کے۔ پس کہا میں نے بنانے والا اس کتاب کا بے دین ہے۔ کہا سلطان نے آیا یہ مسائل نئے ہیں؟ کہا میں نے نئے نہیں لیکن جس امام نے مباح کیا بعض مسکرات کو نہیں مباح کیا اس نے متعہ کو اور جس نے مباح کیا متعہ کو نہیں مباح کیا اس نے غنا کو۔ نہیں کوئی عالم مگر واسطے اس کے لغزش ہے، جس نے عمل کیا علماء کی لغزشوں پر دور ہوا دین اس کا۔ پس جلائی گئی وہ کتاب سلطان کے حکم سے۔

پس جب ۲۷۹ھ میں اس روش پر چلنے والا زندیق ہوا پس اس ۱۲۹۴ھ میں ماصدق علیہ آیت: ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ﴾ [الزمر: ۱۷-۱۸] کا ہونا محالات سے ہے ورنہ آٹھ تراویح کا پڑھنا اور نمازوں کو بلا عذر گھر میں جمع کرنا اور تین طلاق کے بعد بدوں حلالہ کرنے کے عورت سے نکاح کرنے کو درست جاننا

درست بلکہ احسن ہونا ان کا لازم آیا حالانکہ بیس تراویح کا احسن ہونا حدیثِ نبوی اور عمل خلفائے راشدین سے ثابت ہے۔ اسی طرح نماز کا وقت پر ادا کرنا بلا عذر جمع کرنے سے بہت بہتر ہے بلکہ بلا عذر جمع کرنے والا بموجب روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سخت گنہگار ہے۔ اسی طرح حلالہ کرنا بعد تیسری طلاق کے قرآن اور احادیث سے بخوبی ثابت ہے۔

پس ۲۰ تراویح پڑھنے والے اور نماز کو بلا عذر جمع کرنے والے اور تیسری طلاق کے بعد حلالہ کرنے والے داخل بشارت ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ ... الآية﴾ کے ہوئے نہ غیر مقلد کیونکہ آسان آسان پر عمل کرنا ضد ہے اتباعِ احسن کی۔ کیونکہ جو امرِ شریعت میں دوسرے سے احسن ہوگا ضرور وہ امر بہ نسبت احسن کے مشکل ہوگا کیونکہ احسنیت احکامِ شرعیہ کی بہ مقدار مخالفتِ خواہشِ نفسانی کے ہے۔ پس حدیث اور آیت مذکورہ مؤید تقلید کی ہوئی۔ والله يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم.

(۲۰) مضمون صفحہ ۲۴

مسلمانوں کو تمسخر سے ضال اور مضل کہتے ہیں اور کہیں تمسخر سے مثل رافضیوں اور خارجیوں کے بناتے ہیں اور نہیں جانتے کہ خود گرفتار ہیں اس ضلالت میں:

قال الله تعالى: ﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ ... وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ [الحجرات: ١١]

اقول وباللہ التوفیق:

جب ثبوت تقلیدِ معین کا آیات اور احادیث بخوبی ہو چکا پس منکر اس کے کو اگر ضال نہ کہا جاوے تو کیا کہا جاوے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تمھارے اکابر بسبب اقامت ۲۰ تراویح کے بدعتی کہنے لگے، پس خارجیوں اور رافضیوں کی برادری سے کیوں بھاگتے ہو؟ نقل کیا ہے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (نے) بیچ ۱۹۴ صفحہ غنیۃ الطالبین کے اس حدیث کو:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله اختارني واختار لي أصحابي فجعلهم أنصاري وجعلهم أصهاري وإنه سيجيء في آخر الزمان قوم ينقصونهم. ألا فلا تُآكلوهم، ألا فلا تشاربوهم، ألا فلا تناكحوهم، ألا فلا تصلوا معهم، ألا فلا تصلوا عليهم، حلت اللعنة. انتهی

فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا اللہ نے مجھ کو اور اختیار کیے واسطے میرے اصحاب پس کیا ان کو سسرال اور مدد گار میرے۔ جلدی ہوویں گے آخر زمانہ میں لوگ نسبت نقصان کی کریں گے طرف صحابہ کے۔ آگاہ ہو کہ نہ کھانا کھانا اور پینا ساتھ ان کے اور نہ نکاح کرو ان کا اور نماز نہ پڑھو ساتھ ان کے اور نہ جنازہ پڑھو ان کا اور ہو گئے وہ موردِ لعنت کے۔

فائدہ:

پس بموجب حدیثِ مذکورہ کے نماز کا پڑھنا ساتھ لامذہب کے بالکل منع ہوا اور اسی طرح باقی امورِ مذکورہ میں مشارکت ممنوع ہوئی۔ پس اطلاق ان الفاظ کا ان پر بطور تمسخر کے نہیں کیونکہ تمسخر اس کو کہتے ہیں کہ جو بات اس شخص میں نہ ہو اور وہ شخص سبقتِ لسانی سے اس پر وارد کرتا ہے جیسا کہ تم لوگ وقت تحقیق کے کہتے ہو کہ مذہب پر چلنا کچھ برا نہیں لیکن عامل بالحدیث ہونا بھی گناہ نہیں۔ بعض اوقات میں مسخری سے مقلدوں کو مذہبی سکہ وغیرہ الفاظ ناشائستہ زبان پر لاتے ہو۔ پس یہ آیت بھی تمھاری ضلالت پر دلیلِ قاطع ہے۔ خنزیر کو خنزیر کہنے والا داخل اس وعید کے نہیں ہیں البتہ بکری کو خنزیر کہنے والا ضرور اس وعید میں داخل ہوگا۔ والله أعلم بالصواب.

(۲۱) مضمون صفحہ ۲۵

”مقلد شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی بزرگی کے قائل ہیں اور حالانکہ ان کی تقلید نہیں کرتے۔ انہوں نے حنفیوں کو فرقہ مرجیہ سے لکھا ہے اور انتقال کیا حنفی مذہب سے۔“

اقول وباللہ التوفیق:

غوث الاعظم نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ:

”مارے اللہ تعالیٰ مجھ کو میرے امام احمد حنبلؒ کے مذہب پر اصول اور فروع میں اور اٹھاوے اللہ مجھ کو دن قیامت کے بیچ گروہ امام میرے کے۔“

اس کلام سے کیسی پابندی مذہب معین کی ثابت ہوتی ہے۔ پس پابند مذہبِ معین کے معتقد ہوئے شیخ کے یا غیر مقلد؟ اور مرجیہ کہنا شیخ کا بہ نسبت بعض فرقہ حنفیوں کے ہے جیسا کہ لکھا ہے غنیہ کے صفحہ ۲۳ میں:

وأما الحنفية فهم بعض أصحاب أبي حنيفة النعمان بن ثابت زعموا أن الإيمان هو المعرفة والإقرار بالله ورسوله.

”فرقہ حنفیہ سے مراد بعض حنفی ہیں۔ کہا جنہوں نے کہ ایمان معرفت اور اقرار کرنا ساتھ اللہ اور رسول کے ہے۔“

فائدہ:

حنفیوں کی کسی کتاب معتبر میں یہ نہیں لکھا کہ ایمان عبارت معرفت سے ہے بلکہ کتب عقائد میں یوں لکھا ہے:

قال في العقائد النسفي: الإيمان هو التصديق بما جاء به من عند الله والإقرار به.

یعنی لکھا ہے عقائد نسفی میں کہ ایمان عبارت ہے تصدیقِ قلبی اور اقرارِ زبانی سے۔

قال العلامة في شرحه: إن بعض القدرية ذهب إلى أنّ الإيمان هو المعرفة وأطبق علماءنا على فساده.

یعنی بعض فرقہ قدریہ کا یہ مذہب ہے کہ ایمان معرفت کو کہتے ہیں اور متفق ہیں علماء ہمارے یعنی حنفی وغیرہ اوپر نادرست ہونے اس عقیدے کے۔

خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ کوئی حنفی ایمان کو معرفت نہیں کہتا۔ اگر بالفرض کسی حنفی کا یہ اعتقاد ہو اس کو ہم بھی گمراہ جانتے ہیں۔ شاید کسی قدریہ نے بظاہر حنفی کہلا کر ایمان کو معرفت کہا ہو جیسا کہ غیر مقلدین حنفیوں میں جا کر حنفی کہلا کر اب ہم کو گمراہ کرتے ہیں۔ ایسے حنفیوں کی گمراہی میں کچھ شک نہیں۔

اور نقل کرنا شیخ کا مذہب حنفی سے علی تقدیر الصحۃ بہ باعث کم ہونے متّبعانِ امام احمد حنبلؒ ہوا ہو گا نہ کہ مذہب حنفی کو غلط سمجھ کر ورنہ قضا کرنا شیخ کا نماز روزے کو جو حنفی ہو کر گزاری تھیں ثابت کرو بلکہ مذہب حنفی کی عظمت اور حقیت شیخ کی اس کلام سے بخوبی ثابت ہوتی ہے۔

أما إذا كان الشيء مما اختلف الفقهاء وساغ فيه الاجتهاد كشرب عامي النبيذ مقلدا لأبي حنيفة رحمه الله وتزوج امرأة بلا ولي على ما عرف من مذهبه لم يكن لأحد ممن هو على مذهب الإمام أحمد والشافعي الإنكار عليه لأن الإمام أحمد قال في رواية المروزي: لا ينبغي للفقيه أن يحمل الناس على مذهبه. فالإنكار إنما يتعين في خرق الإجماع دون المختلف فيه. انتهى ملخصا. (غنيه، صفحه ١٢٣)

خلاصہ ترجمہ کا یہ ہے:

”اگر ہو مسئلہ مختلف فیہ مجتہدین میں مثل پینا شیرۂ انگور کا اور نکاح کرنا عورت کا بغیر ولی کے بموجب تقلیدِ امامِ اعظم کے جائز ہے اور نہیں درست شافعی اور حنبلی وغیرہ کو سرزنش کرنی مقلد امام کے کو۔ کیونکہ کہا ہے امام احمد رحمہ اللہ نے نہیں لائق عالم کو برانگیختہ کرنا لوگوں کو طرف مذہب اپنے کے۔“

فائدہ:

باوجودیکہ مسئلہ شیرۂ انگور اور نکاح بلا ولی میں استدلال جانبین کا آیت اور احادیث سے پھر بھی کسی عالم کو حدیث کے ذریعے سے دوسرے مذہب والے کو اپنے مذہب کی طرف کھینچنا درست نہیں۔ پس بموجب تحقیق شیخ کے جو شخص لوگوں کو اماموں سے بے اعتقاد کراتے ہیں سخت گمراہ ہوئے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۲۲) مضمون صفحہ ۲۷

” عجب عقل ہے کہ چاروں ائمہ کو فروعات میں حق کہتے ہیں اور خود امام کا قول ہے کہ حق نہیں موضع خلاف میں مگر ایک۔ پھر مقلدین امام کے اور دوسری طرف جانے کو حرام جانتے ہیں۔ باوجودیکہ جب حج کیا منصور نے تو کہا امام مالکؒ کو کہ حکم کروں میں تمھاری کتاب کے موافق اور سب رعایا کو بھی حکم دوں کہ بغیر موطا امام مالک کے اوپر عمل نہ کریں؟ پس کہا امام مالک نے:

لا تفعل هكذا، فدع الناس وما اختاروا لأنفسهم.

”اے بادشاہ! نہ کر اس طرح اور چھوڑ دے لوگوں کو ساتھ اس چیز کے جو پسند کیا ہے انہوں نے اپنے نفسوں کے واسطے۔ “

اگر تقلید مذہب معین کی اچھی ہوتی تو امام مالکؒ منع نہ فرماتے منصور کو۔“

اقول وباللہ التوفیق:

چاروں مذاہب کے فروعات کا حق ہونا بایں معنیٰ کہ ہر امام نے بموجب اجتہاد اپنے کے جو حکم ثابت کیا ہے اس کو اور تابعدار اس کے کو بغیر اس کے اور پر عمل کرنا شرعًا درست نہیں ورنہ تکلیف مالا یطاق لازم آوے گی۔ قال الله تعالى:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ٢٨٦]

لکھا ہے شاہ عبدالعزیز صاحب نے بیچ تحفہ اثنا عشریہ کے:

"در غیر منصوصات حکم معیّن نیست از جانبِ خدا بلکہ حکمِ الٰہی درحقِ ہر کس ہمانست کہ در اجتہادِ اوست یا در اجتہادِ متبوعِ اوست۔ ہمیں ست معنی: اختلافُ امتی رحمۃٌ۔ انتہٰی"

"یعنی شرعی حکم ہر مجتہد کو مسائلِ اجتہادیہ میں یہ ہے کہ موافق اجتہاد اپنے کے عمل کرے اور اسی طرح ہر مقلد کو بموجب اجتہاد امام اپنے کے عمل کرنا چاہیے۔"

اور موضعِ خلاف میں حق کا ایک ہونا باعتبار واقع کے ہے نہ باعتبارِ عمل کے۔ ورنہ کوئی روایت امام سے نقل کرو۔ اور منع کرنا امام مالک کا منصور کو اپنی کتاب مؤطا کے رواج دینے سے اس واسطے تھا کہ جب لوگوں میں کتبِ حنفیہ وغیرہ کو جو ان کو پہنچ گئی تھیں پسند کر کے عمل کرنا شروع کیا ان لوگوں کو اپنی کتاب کی طرف کھینچنا بموجب اس آیت کے منع تھا:

قال الله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ [الشورى: ١٦]

"یعنی وہ لوگ جو جھگڑتے ہیں بیچ دین اللہ کے پیچھے مقبول ہونے اس کے کے، دلیل اس کی گری ہے نزدیک پروردگار اُن کے کے۔ اور اوپر ان کے

غضب ہے اور ان کے واسطے عذاب سخت۔"

فائدہ:

پس قولِ امام مالک بموجب اس آیت کے دلیلِ قاطع ہے اس امر پر کہ جو لوگ کسی مذہبِ حقہ کے پیرو ہوں ان کو اور مذہب کی طرف کھینچنا بہت گناہ ہے۔ پس جو لوگ مذاہبِ حق پر بہتان باندھ کر لوگوں کو غیر مقلد بناتے ہیں بموجب آیت اور فرمانے امام مالکؒ کے گنہگار ہوئے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۲۳) مضمون صفحہ ۲۷

"اگر غور سے دیکھا جاوے تو بہت آیات قرآن کی منع کرتی ہیں ایسی تقلید کو کہ رائے مجتہد کو مثل حکم خدا کے جانے اور حدیثِ صحیح اس کے مقابل نہ مانے۔

فرمایا اللہ جلّ شانہٗ نے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ [التوبة: ٣١]

پکڑا اپنے علماء اور مشائخ کو معبود سوا اللہ کے۔

یعنی ان کا کہنا مثل خدا کے کہنے کے سمجھتے ہیں۔

اور مولوی اسماعیل صاحب نے اس تقلید کو شرک اور کفر لکھا ہے۔"

اقول وباللہ التوفیق:

اس آیت میں مذمّتِ علمائے یہود اور نصاریٰ کا بیان ہے کہ جو واسطے طمعِ دنیا کے احکامِ قطعیہ کے مخالف حکم دے کر لوگوں کو ممنونِ احسان اپنا کرتے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما هلك الذين قبلكم انهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد.

”فرمایا حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بے شک ہلاک ہوئے پہلے لوگ بسبب اس کے کہ اگر چوری کرتا کوئی شریف حد نہ جاری کرتے اس پر اور اگر غریب پر چوری ثابت ہوتی تو اس پر حد سرقہ کی لگاتے۔“

مقلدین مذاہب اربعہ کے جو امام کے قول کو کسی آیت یا حدیث کا مبین سمجھ کر عمل کرتے ہیں ہرگز مورد اس آیت کے نہیں بلکہ ائمہ مجتہدین کی اطاعت کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں فرض لکھا ہے اور عبارت ان کی یہ ہے:

”باید دانست کہ اطاعتِ غیرِ او تعالیٰ بالاستقلال کفر ست و معنٰی اطاعت غیر باستقلال آنست کہ اُو را مبلغِ احکام اُو ندانستہ ربقۂ اطاعت در گردن انداز و ایں ہم نوعیت از شرک کہ درآیہ اتخذوا احبارھم الآیۃ نکوہش آن فرمودہ اند پس کسانیکہ اطاعتِ آنہا بحکم خدا فرض ست شش گروہ اند، ازان جملہ مجتہدینِ شریعت اند، حکمِ ایشان بطریق واجب مخیر لازم الاتباع بر عوام است، زیراکہ فہمِ اسرارِ شریعت ایشان را میسر ست۔ قال اللہ تعالیٰ: فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون وجہ فرق در اطاعت و عبادت کہ در شرائع اطاعتِ غیر را جائز بلکہ واجب ساختہ اند و عبادتِ غیر را ہیچ حال روا نہ داشتہ آنست کہ اطاعت بجا آوردن حکم کسے کہ او شایانِ حکمرانی ست و لیاقت حکمرانی در غیرِ او تعالیٰ نیابتہ نیز متصور ست رسول و حاکم بخلاف عبادت کہ حقیقتِ او غایت تذلل ست پس شایان نیست مگر کسیکہ غایت عظمت داشتہ باشد و آن منحصر در یک ذات حق ست و بس۔

وبسبب آنکہ جہال فرق نمی کنند در معنی اطاعت و عبادت دو ورطۂ تحیر می افتند مشرکین ہر فرقۂ ایشان را الزام می دہند کہ شرک در ہر مذہبِ قدیم ست زیراکہ اطاعت غیر اللہ در جمیع ادیان مسلّم ست مثل اطاعتِ پیغمبر و مرشد

ومجتہد۔ انتہی ملخصًا“

اور مولوی اسماعیل صاحب نے بھی اطاعت بالاستقلال غیر اللہ کو شرک لکھا ہوگا ورنہ یہ قول ان کا مخالف ہے آیت: ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [النحل: ٤٣] کے۔ پس تابعدار اس قول مولوی اسماعیل صاحب کے کا مورد آیت ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ ... الآية﴾ [التوبة: ٣١] کا ہوگا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۲۴) مضمون صفحہ ۲۸

”﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ [البقرة: ١٧٠]

پیروی کرتے ہیں ہم جس پر پایا ہم نے باپ دادوں اپنوں کو۔

اس آیت میں اشارہ واسطے ابطالِ تقلید کے ہے۔“

اقول وباللہ التوفیق:

اس آیت میں اشارہ واسطے ابطال اس تقلید کے ہے جو کفار اپنے باپ دادا کے کہنے پر بے دلیل اَڑے رہے نہ واسطے ابطالِ تقلید متنازعہ فیہ کے بلکہ یہ تقلید اسی آیت کے اخیر سے ثابت ہوتی ہے یعنی: ﴿أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾ یعنی اگرچہ ہوں باپ دادا ان کے بے عقل اور بے ہدایت؟

یعنی اگر باپ دادا صاحب عقل اور ہدایت ہو اس وقت ان کی پیروی کرنی درست ہے کیونکہ حقیقت میں یہ پیروی خدا اور رسول کی ہے۔

قال اللہ تعالى: ﴿أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا﴾ [البقرة: ١٣٣]

”آیا تھے تم گواہ جب حاضر ہوئی موت حضرت یعقوب علیہ السلام کو؟ جس

وقت فرمایا یعقوب نے بیٹوں اپنوں کو کہ کس کو پوجو گے میرے بعد؟ کہا انہوں نے کہ پوجیں گے معبود تیرے کو اور معبود تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کو، معبود ایک۔“

یہ آیت دلیلِ ظاہر ہے اوپر تقلید باپ دادا کے اگر ہدایت پر ہوں۔ علاوہ بریں اگر تم کو اتباع باپ دادا کی مطلقاً منظور نہیں تو جو شخص تمھارے سے نومسلم نہیں تو اس کو معاذ اللہ اسلام چھوڑ کر اور دین اختیار کرنا پڑے گا کیونکہ اسلام قدیمی رسم باپ دادا کی ہے۔

اور صرف غیر مقلد ہونے سے استیصال متابعت کا محالات سے ہے ورنہ تم کو مورد آیت ﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا﴾ کے میں داخل ہونا بموجب قول اپنے کے پڑا۔ واللہ یہدی من یشاء إلی صراط مستقیم۔

(۲۵)مضمون صفحہ ۳۰

”حضرت ﷺ نے بہتر قیدیوں بدریوں کو کچھ لے کر چھوڑ دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق گردن نہ ماری تب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [الأنفال: ٦٨]

یعنی اگر نہ ہوتا حکم خدا کا پہلے سے البتہ مس کرتا تم کو بیچ لینے تمھارے کے عذاب بڑا۔

فرمایا آنحضرت ﷺ نے اگر اترتا عذاب نہ نجات پاتا کوئی سوا عمر رضی اللہ عنہ کے۔ اسی طرح سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ حضرت ﷺ کے مشورہ کو کہ دیویں مشرکین کو نصف ثمرہ نہ مانا اور کہا کہ اگر یہ حکم وحی سے ہے تو ہم کو قبول ہے۔ اگر آپ نے اپنی رائے سے کہا ہے تو ہم نہیں دیں گے مگر تلوار۔ پس جب حضرت ﷺ کا کہنا نہ

ماننے سے جو وحی سے نہ تھا، کفر تو کیا عتاب تک بھی نہ فرمایا باوجود ہونے اس آیت کے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ [الأحزاب: ٣٦]

''یعنی نہیں ہے کسی مسلمان مرد اور عورت کو کہ جب اللہ اور رسول حکم کرے اس کو تو پھر اختیار ہے اس کو اپنے کام کا۔''

پس مخالفت مجتہد کی رائے کو کس طرح ضلالت اور شقاوت کہتے ہو؟''

اقول وباللہ التوفیق:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بسبب مشورہ طلب کرنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کی رائے دی تھی اور اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رائے اپنی روبرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوں ظاہر کی کہ صلح نصف ثمرہ سے لڑنا میرے نزدیک بہتر ہے اور مشورہ کرنا آنحضرت کا بموجب آیت "شاورھم" کے تھا۔ یعنی مشورہ میں داخل کر صحابہ کو۔ پس اگر حضرت عمرؓ اور سعدؓ اپنی اپنی رائے کے بموجب بیان کرتے تو تعمیل حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سے جو آیت بموجب "شاورھم" کے تھا۔ محروم رہ کر مورد آیت ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ...الآية﴾ کا قرار دینا ایمان داری سے بعید ہے اور مطلب آیت مذکورہ کا یہ ہے: ''نہیں اختیار ہے اہلِ اسلام کو مرد ہو یا عورت جب حکم کر دے خدا اور رسول۔'' اور رائے حضرت عمرؓ اور سعدؓ کی بطور مشورہ کے قبل حکم لگانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھی کیونکہ مشورہ کرنا قبل حکم کرنے کے مشروع ہے نہ بعد حکم کے۔ قال اللہ تعالی: ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ [آل عمران: ١٥٩] واللہ أعلم وعلمه أتم

قصّہ مذکورہ سے کس قدر بزرگی حضرت عمرؓ کی اور صحت رائے ان کی معلوم ہوتی ہے

کہ احاطہ تقریر اور تحریر سے برتر ہے۔ پس بیس تراویح باجماعت کو جو حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں جاری کی، برا ماننا اور نماز بلا عذر جمع کرنے کو سنّت سمجھنا حالانکہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں منادی واسطے منع کرنے جمع کرنے نماز بنا عذر کے کرا دی تھی، موطا امام محمد کے ۴۴ صفحہ میں موجود ہے۔ اگر ایسے لوگوں پر بموجب آیت ﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ...الآية﴾ عذابِ آسمانی نازل ہو تو تعجب نہیں۔أعاذنا الله منه بفضله وكرمه

(۲۶) مضمون صفحہ ۳۰

"وصیت کی حضرت ﷺ نے پرہیزگاری اور تابعداری خلیفہ کی جو کوئی جیتا رہا دیکھے گا اختلاف بہت، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديّين، عضّوا عليها بالنواجذ۔ یعنی پس لازم پکڑو تم طریقہ میرا اور طریقہ خلفائے راشدین کا خوب مضبوط اور نہیں کہا طریقہ کسی مجتہد کا۔"

اقول وباللہ التوفیق:

تراویح کو جو طریقہ خلفائے راشدین یعنی حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے، بدعت کہنا اور پھر اس حدیث کو منہ پر لانا مورد ﴿لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ [الصف: ٢] میں داخل ہونا ہے اور مراد سنّت الخلفاء سے یہ ہے کہ جو خلفاء اپنے اجتہاد کی رُو سے احکامِ شرعیہ کا استخراج کریں۔

پس یہ حدیث صاف دال ہے اوپر حقیتِ اجتہاد کے اور آیت ﴿لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾ [النساء: ٨٣] اور آیت ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ﴾ [النحل: ٤٣] اور آیت ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ﴾ [لقمان: ١٥] اور آیت ﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ [الفرقان: ٧٤] وغیرہ سب دال ہیں اوپر فضیلت

مجتہدین کے اور گزر چکی تحقیق اس کی بیچ جواب مضمون چوتھے کے۔ واللہ یہدی من یشاء إلی الصواب وإلیہ المرجع والمآب۔

(۲۶)مضمون صفحہ ۳۲

”پوچھ لے یہ مسئلہ جس عالم حقانی سے جی چاہے اور تخصیص ایک کی مبدأ فساد کا ہے۔“

اقول وباللہ التوفیق:

عالمِ حقانی وہ ذی علم ہے کہ جس کا اعتقاد موافق علماء وفضلاء حرمین شریفین وغیرہ باشندگانِ دارالاسلام کے ہو ورنہ تکذیب آیات اور احادیث کی جو بیچ جواب مضمون ۱۹ کے درج کی گئی ہے لازم آتی ہے۔ پس جب ہم نے وجوب تقلید کا علماء حرمین وغیرہ سے ثابت کرلیا اور کسی عالم خاص پر تحقیق اس کی منحصر نہ کی اور ہر شخص منصف کو فتویٰ حرمین سے تسلی حاصل ہوئی اور تم نے ایک مولوی نذیر حسین صاحب پوچھ کر جو علمائے دارالاسلام سے نہیں، تقلید کو شرک اور بدعت کہہ کر شہر بہ شہر فساد برپا کیا، اب بنظرِ انصاف خیال کرو کہ مبدأ فساد تم ہوئے یا ہم؟ واللہ یعلم المفسد من المصلح۔

(۲۷)مضمون صفحہ ۳۲

”جو کوئی کہے کہ قرآن سمجھنے کو بڑا علم درکار ہے یہ بات نادانی کی ہے۔“

اقول وباللہ التوفیق:

تمھارے مقتدا یعنی مولوی نذیر حسین صاحب نے ایک فتویٰ میں رب المال کو مضارب سے لینا فی ماہ دس مبالغ کا بطور نفع کے درست کر دیا اور سند اس کی یہ آیت بیان کی:

﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ [الرحمن: ٦٠]

”یعنی نہیں بدلا احسان کا مگر احسان۔“

اور حالانکہ سود ہونا اس کا آیات اور حدیث سے اظہر من الشمس ہے۔ جب آپ کے

پیشوا کا یہ حال ہے تو عوام کالانعام کا کیا حال ہو گا؟ شاید ایسے مجتہدوں کے نزدیک اجرت زنا کی بھی درست ہووے تو تعجب نہیں کیونکہ وہاں بھی یہ قیاس معلّمِ اول کا صادق آتا ہے یعنی عورتِ زانیہ نے زانی پر احسان کیا اور زانی نے بعوض احسان اس کے کچھ دے دیا۔ بیت:

از کراماتِ شیخِ ما چہ عجب
گر بہ شاشید گفت باران ست

أعاذنا الله من هذه الطريقة الشنيعة بمنه وكرمه.

(۲۸) مضمون صفحہ ۳۴

”اجماع کیا ہے صحابہؓ نے اس پر کہ جو شخص فتویٰ پوچھے حضرت ابوبکرؓ سے اور حضرت عمرؓ سے اسے درست ہے کہ پوچھے ابوہریرۃؓ اور معاذ بن جبلؓ سے۔“

اقول وباللہ التوفیق:

بعد ثبوت اس اجماع کے جواز تقلیدِ معیّن کا زمانہ صحابہؓ میں بھی اسی اجماع سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ لفظ درست کا دال ہے اوپر درست ہونے تقلید معیّن کے بلکہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے امام بخاری نے یوں نقل کیا ہے:

لا تسألوا عني مادام هذا الحبر فيكم.

”یعنی نہ پوچھو میرے سے جب تک یہ عالم یعنی عبداللہ بن مسعودؓ تمھارے میں ہیں۔“

اور فرمایا آنحضرت ﷺ نے:

أصحابي كالنّجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم.

”یعنی اصحاب میرے مثل ستاروں کے ہیں جس کی تقلید کرو گے ہدایت پاؤ گے۔“

اور حضرت عمرؓ نے منع کر دیا تھا حضرت ابوہریرۃؓ کو فتویٰ دینے سے اخیر عمر میں۔ بیان کیا اس کو ملا علی قاری نے:

وأما أبو هريرة رضي الله عنه فإنه لم يكن من أهل الفتوى بل كان من الرّواة، كان لا يعرف الناسخ من المنسوخ ولا يتأمل في المعنى ولأجل ذلك حجر عليه عمر رضي الله عنه عن الفتوي في آخر عمره. انتهى عبارته.

پس نقل کرنا اجماعِ صحابہ کا بیچ حق ابوہریرہؓ کے بالکل غلط ہوا۔ علاوہ بریں وجوب تقلیدِ معین کا بعد دوسو برس کے ہوا ہے جیسا کہ کہا ہے شاہ ولی اللہ نے:

بعد المأتين ظهر فيهم التمذهب بأعيانهم وكان ذلك هو الواجب فى ذلك الزمان.

پس بیان کرنا معترض کا ان حالات کو جو قبل استقرارِ وجوب کے تھے بے فائدہ ہے۔ الحمد لله الذى هدانا الصراط المستقيم۔

(۲۹) مضمون صفحہ ۳۶

”کہنا مقلد کا کہ تقلید کی میں نے امام اعظم کی جو مفتیٰ بہٖ مسائل ان کے ہیں اور نہیں جانتا صورتیں ان مسئلوں کی، نہیں ہے حقیقت میں تقلید بلکہ ادّعا ہے تقلید کا۔ یہ قول ابن ہمام حنفی کا ہے۔“

اقول و باللہ التوفیق:

پس بموجب اس قول ابن ہمام کے جو شخص صورتیں مسائل کی جانتا ہے اور بوقت حاجت کے عمل کرتا ہے مقلد حقیقی ہوا اور جس شخص نے وعدہ تقلیدِ مذہبِ حنفی کا صدقِ دل سے کیا اور ایفائے وعدہ پر کمر بستہ ہے وہ بھی زمرۂ مقلدین میں داخل ہیں کیونکہ وعدہ خلاف کرنا علاماتِ نفاق سے ہے۔ اس مرضِ مہلک میں غیر مقلد مبتلا ہیں۔ سو منہ سے دعویٰ حنفیت کا روبرو عوام کے کرتے ہیں اور شب و روز مخالفت امام کی پر سرگرم ہیں۔ قال الله

تعالی: ﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ [الصف: ۳]۔

(۳۰)مضمون صفحہ ۷۳:

”امام صاحب نے فرمایا ہے کہ جب ثابت ہو حدیث وہی ہے مذہب میرا۔“

اقول وباللہ التوفیق:

مراد اس کلام سے یہ ہے کہ جو حدیث امام کو قطعًا نہ ملی ہو اور مقابل اس کے امام نے اپنے قول یعنی قیاسِ ظنی پر فتویٰ دیا ہو۔ اور مراد اس سے ایسی حدیث نہیں کہ جس کا پہنچنا امام کو ثابت ہو اور امام نے اس حدیث کو لائقِ عمل نہ سمجھ کر متروک کیا۔ جیسے حدیث آمین بالجہر اور ترکِ قراءۃِ فاتحہ خلف امام وغیرہ کے کیونکہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ صاحبِ عقل یہ بات اپنے متبعین کو نہیں کہہ سکتا کہ میرے نزدیک یہ دلیل لائق عمل کے نہیں لیکن تم کو ضرور چاہیے کہ اس دلیل کو معتبر سمجھ کر عمل کرنا۔ علاوہ بریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کلام میرے کلامِ الٰہی کو منسوخ نہیں کر سکتے تو پھر تم آمین خفیہ و ترکِ قراءۃ خلف الامام جو آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ ... الآية﴾ [الأعراف: ٥٥] اور آیت ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ ... الآية﴾ [الأعراف: ٢٠٤] سے ثابت ہے کیونکر انکار کرتے ہو؟ فما هو جوابكم فهو جوابنا هنا، لعلّ الله يحدث بعد ذلك أمرا

(۳۱)مضمون صفحہ ۷۳

”عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے میزان میں کہ جو منقول ہے بعض اولیاء کا حنفی اور بعض کا شافعی ہونا یہ قبل رتبۂ کمال سے تھا۔“

اقول وباللہ التوفیق:

یعنی بعد ولی کامل ہونے کے تقلیدِ مذہبِ معیّن ضرور نہیں اور قبل اس رتبہ کے تقلید واجب ہے جیسا کہ نقل کیا ہے شعرانی نے میزان میں اپنے شیخ علی الخواص سے بار بار۔

قال الشعراني في الميزان: وسمعت سيدي عليا الخواص رحمه الله تعالى فيقول: إنما أمر علماء الشريعة الطالب بالتزام مذهب معين تقريباً للطريق. انتهى

اور لکھا ہے امام شعرانی نے میزان میں:

لقد ذكرنا في كتاب الأجوبة عن أئمة الفقهاء والصوفية كلهم يشفعون في مقلديهم عند سوال المنكر ونكير وعند النشر والحشر والحساب والميزان والصراط ولما مات الشيخ ناصر الدين اللقاني رآه بعض الصالحين في المنام فقال له ما فعل الله بك؟ فقال: لما أجلسني الملكان في القبر أتاهم الإمام مالك رَحِمَهُ ٱللَّهُ فقال: مثل هذا يحتاج إلى سؤال في إيمانه بالله ورسوله؟ تنحَّيَا عنه. فتنحّيا عني. انتهى ملخّصًا

”تحقیق علماء اور مشائخ شفاعت کریں گے مقلدوں اپنوں کی وقت سوال منکر نکیر کے اور وقت حشر اور حساب اور وزنِ اعمال اور پل صراط کے اور جب مرا شیخ ناصر الدین لقانی خواب میں دیکھا اس کو بعض صالحین نے، پس پوچھا کہ کیا کیا اللہ جلّ شانہ نے تیرے ساتھ؟ پس فرمایا انھوں نے جب بٹھایا مجھ کو فرشتوں نے بیچ قبر کے آیا ان کے پاس امام مالکؒ، پس کہا ایسا شخص محتاج ہے طرف سوال ایمان کے؟ کنارہ کرو اس سے، پس کنارہ کیا انہوں نے میرے سے۔“

اور یہی لکھا ہے کہ:

"مذہب امام اعظم کا موافق تر ہے ساتھ کلام اللہ اور حدیث کے۔"

اب بیچ خدمت غیر مقلدین کے یہ عرض ہے کہ تم کو بموجب قول امام شعرانیؒ کے مقلد ہونا ضرور ہوا ورنہ گمراہ ہو کر شفاعت امانِ دین سے محروم ہو کر خوار اور ذلیل ہو گے کیونکہ تمھارے میں کوئی شخص کمالِ ولایت کو نہیں پہنچا۔ اگر بموجب زعم تمھارے کے ہو گا تو کوئی فردِ خاص ہو گا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔

(۳۲) مضمون صفحہ ۳۸

"کہا ابو محمد ظاہری نے نہیں جانتے ہم کسی کو ان تینوں قرنوں میں سے جو بہتر تھے کہ کسی نے کسی کی تقلید کی ہو۔"

اقول و باللہ التوفیق:

یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ امام ابو یوسفؒ نے رواج دیا مذہب حنفی کو اور ابو یوسف تبع تابعین ہیں کیونکہ یہ شاگرد ہیں امام اعظم کے اور ان کا تابعین ہونا اتفاقی ہے جیسا کہ لکھا ہے ملا علی قاری نے شرح موطا امام محمد میں اور عبارت اس کی یہ ہے:

وقيل: روى الإمام مالك عن عائشة بنت أبي وقاص رضي الله عنها وصحبتها ثابتة فيكون تابعيا كأبي حنيفه إلا أنه تابعي بلا خلاف. انتهى

یعنی امام مالک کے تابعی ہونے میں اختلاف ہے اور امام اعظم کے تابعی ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ جب تبع تابعین ہونا امام ابو یوسف کا ثابت ہوا پس تقلید مذہب حنفی کی قرنِ ثالث میں پائی گئی اور رواج دینا امام ابو یوسف کا مذہبِ حنفی کو ابن حزم سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحدثین میں نقل کیا ہے:

"ابن حزم در جائے نوشتہ است کہ این دو مذہب مذہب حنفی و مالکی در عالم از راہِ

ریاست رواج گرفتہ اند زیرا کہ قاضی ابو یوسف قضاے کل ممالیک بدست آوردہ از طرفِ او قضاۃ می رفتند وہر قاضی را حکم می کرد کہ عمل وحکم بمذہب ابو حنیفہ نماید۔" انتہی ملخصا

والإيراد بأنّ الرّواج بطريق الرياسة يوهم النقص مردود كإيراد النصارى على دين الاسلام بأن رواج هذا الدين في العالم شاع بالسيف. فافهم

اور فرقہ ظاہریہ سنّت جماعت سے خارج ہے جیسا کہ ذکر کیا ہے امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں اور کہا شاہ ولی اللہ نے قولِ جمیل میں کہ ظاہری فرقہ کی مجلس میں بیٹھنا درست نہیں۔ پس نہ معلوم ہونا ابو محمد ظاہری کو مثل نامعلوم ہونے آفتاب کے ہے شپرک کو۔

بیت:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

(۳۳) مضمون صفحہ ۳۸

"ذکر کیا ہے امام محمد نے کہ جو شخص مبتلا ہوا ایک عورت کے مقدمہ میں کسی فقیہ سے پوچھ کر عمل کیا، بعد اس کے کسی اور عورت کے مقدمہ میں کسی اور پر فقیہ سے یا اسی سے پوچھا، اس فقیہ نے برخلاف پہلے مقدمہ کے حکم دیا حالانکہ صورت دونوں کی ایک تھی، درست ہے اس شخص کو عمل کرنا بموجب اس روایت کے جو مخالف ہے پہلی روایت معمول کے اور کہا امام محمد نے یہ سب قول امام اعظم اور ابو یوسف کا ہے اور اسی طرح بعض مجتہدین نے وقت ضرورت کے اپنے مذہب کے خلاف عمل کیا باوجودیکہ مجتہد کو اپنی رائے کے

موافق عمل واجب ہے۔ پس مقلد اولیٰ ہے اس بات میں جب دیکھتے مستحق غیر کے قول میں۔"

اقول وباللہ التوفیق:

عمل کرنا مجتہد کا مخالف مذہب اپنے کے بسبب کسی ضرورت کے قسم اجتہاد سے ہے جیسا کہ لکھا ہے صحیح مسلم وغیرہ میں کہ حضرت ﷺ نے بسبب مصلحتِ وقت موقوف رکھا بنانا کعبہ کا حالانکہ بسبب غلطی بنا کے دوبارہ لازم تھا بنانا اس کا اور عوام کو اس وقت میں تقلید مذہب معیّن کی واجب نہ تھی۔ جیسا کہ لکھا ہے شاہ ولی اللہ نے انصاف میں:

بعد المأتين ظهر فيهم التمذهب بأعيانهم وكان ذلك واجبا. انتهى

یعنی بعد دو سو برس کے ایک مذہب پر چلنا واجب ہوا اور وفات امامِ اعظم کی بعد ایک سو پچاس برس کے ہوئی ہے۔

پس روایات امام کی جو موہم عدمِ وجوب تقلیدِ معین کے ہیں، مضر نہ ہوں گی۔ مثلاً امامت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بوقت موجودگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لازم کیا بلکہ گناہ نہیں اور بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بسبب اجماع کے لازم ہوئی۔

اسی طرح اطاعت ہر خلیفہ اور سلطان کی اپنے اپنے وقت میں بموجب اجماع اہلِ اسلام کے واجب اور لازم ہے اور اسی طرح کلام اللہ آنحضرت ﷺ کی حیات میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جمع کرنے کلام اللہ کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے گھبرا کر فرمایا کہ کروں میں وہ کام جو آنحضرت ﷺ نہ کیا ہو؟ پھر تکرار کرتے ہیں حضرت عمرؓ یہاں تک کہ سمجھ گئے حضرت ابوبکرؓ کہ رائے حضرت عمرؓ کی درست ہے۔ پھر جمع کرانا کلام اللہ کو یہ سب مذکور ہے بخاری شریف میں۔

شارح قسطلانی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر کلام اللہ کا جمع کرنا بہتر ہوتا

توحضرت ﷺ نے کس واسطے جمع نہ کیا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت ﷺ کے وقت میں جمع کرنا کلام اللہ کا ضروریات سے نہ تھا اور بعد وفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمع نہ کرنے سے خوف ضائع ہونے کا تھا اسی واسطے خدائے تعالیٰ نے صحابہؓ کے دل میں ڈال دیا کہ جب صحابہؓ حاملِ قرآن انتقال کر جائیں گے تو کلام اللہ کی حفاظت کس طرح ہو سکے گی؟ اسی طرح قرونِ ثلاثہ میں حاجت وجوب تقلید معین کی نہ تھی کیونکہ اکثر علماء اور فقہاء اس وقت کے مجتہد تھے اور وہ زمانہ بسبب قربِ مشعلِ محمدیؐ کے لہو اور لعب سے خالی تھا اور بعد گزرنے دوسو برس کے زمانہ فساد کا پیدا ہوا، تب علمائے وقت نے اجماع اوپر وجوبِ تقلیدِ معین کے کیا۔

سند اس اجماع کی وہ آیات اور احادیث ہیں جو واسطے اثباتِ تقلید کے مذکور ہو چکی ہیں اور ہر وقت کے علماء دینداروں کا مقلد ہونا جو کتبِ تواریخ سے ثابت ہے، سندِ کامل ہے واسطے نقل اس اجماع کے۔

اور نقض وارد کرنا غیر مقلدین کا اجماع مذکور پر مثل نقض رفّاض (رافضیوں) کے ہے اوپر امامت ابوبکر صدیقؓ کے۔ یعنی جیسا رفّاض اجماعِ صحابہ کو جو اوپر امامت حضرت ابوبکر صدیقؓ پر ہوا تھا کمیٹی وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح غیر مقلدین اجماعِ علماء کو نہیں مانتے۔ قال اللہ تعالی: ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ﴾ [الصف: ٨] واللہ اعلم وعلمه أتم.

(۳۴) مضمون صفحہ ۴۲

”بخاری میں ہے کہ پوچھا عبداللہ بن قیسؓ نے عائشہؓ سے حال غسل آنحضرت ﷺ کا کہ غسل کر کے سویا کرتے تھے یا آرام فرما کر غسل کیا کرتے؟ فرمایا حضرت عائشہؓ نے کہ دونوں طرح پر عمل تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اسی طرح کلام اللہ کو کبھی آہستہ اور کبھی بلند پڑھتے اور وتر کبھی اول شب

اور کبھی آخر شب کی ادا کرتے اور کھانے سے پہلے کبھی ہاتھ دھوتے اور کبھی نہ دھوتے۔

اسی قاعدے پر بعض اصحاب نے عمل اپنی روایت کے مخالف کیا ہے جیسا کہ نکاح کر دیا عائشہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰنؓ کے بیٹے کا اور حالانکہ روایت کیا ہے حضرت عائشہؓ نے کہ بغیر ولی کے نکاح درست نہیں اور اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں حدیث رفع یدین کے اور حالانکہ ثابت ہے نہ کرنا رفع یدین کا ان سے دس برس برابر (مسلسل)۔ اسی طرح درست ہے روایاتِ مختلفہ میں کہ جو چاہے سو کرے۔ ‘‘

اقول و باللہ التوفیق:

جو فعل آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کبھی نہیں کیا اسی طرح اخیر عمر تک آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عمل رہا ایسے فعل کو علماء سنّتِ زائدہ سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ غسل جنابت کا قبل سونے کے اور ہاتھوں کا دھونا قبل کھانے کے اسی قبیل سے ہے اور جو کام آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانہ میں یک لخت ترک کیا گیا ہو سنّیت اس کی باقی نہیں رہتی ورنہ متعہ اور شراب وغیرہ کا جو ابتدائے اسلام میں رائج تھی سنّت ہونا لازم آئے گا اور رفعِ یدین کو بھی جو ثبوت اس کا بموجب روایت عبداللہ بن عمرؓ کے ہے اسی پر قیاس کرنا چاہیے ورنہ یہ امر ممکن نہیں کہ ایسے صحابی جلیل القدر ہو کر جس سنّت کو آپ روایت کرے اور اس پر دس برس برابر عمل نہ کریں اور جس امر کو راوی نے تاکیداً آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کیا ہو۔ پھر راوی نے مخالف اس کے عمل کرنا دال ہے اور اوپر متروک العمل ہونے اس حدیث کے وإلّا لزم كونه عاصيا.

لقوله تعالى: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ [الأحزاب: ٣٦]

اور عمل حضرت عائشہؓ کا مخالف روایت اپنی کے بابِ نکاح میں اسی قبیل سے ہے کیونکہ حدیث حضرت عائشہؓ کی دال ہے اوپر باطل ہونے نکاح کے جو بغیر اذنِ ولی کے ہوا ہو اور وہ حدیث یہ ہے:

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أيّما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل. الحديث رواه الترمذي

"یعنی فرمایا آنحضرت ﷺ نے جس عورت نے نکاح کیا بغیر اذنِ ولی اپنے کے پس نکاح اس کا روا نہیں، پس نکاح کا اس کا باطل ہے۔"

فائدہ:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو نکاح بغیر ولی کے ہو ہرگز درست نہیں۔ پس ایسی منکوحہ سے بموجب اس حدیث کے وطی کرنے حرام ہوئی۔ پس اگر یہ حدیث حضرت عائشہؓ کے نزدیک محکم اور قوی ہوتی تو ہرگز حضرت عائشہؓ مخالف اس کے عمل نہ کرتیں ورنہ جب ایسی مقتدا کے نزدیک تاکیدی حدیث پر عمل کرنا اور نہ کرنا برابر ہو تو کسی فرد بشر کو اوپر ترک نماز روزہ کے اور زنا اور چوری کے کرنے پر سرزنش نہ کی جاوے۔ کیونکہ وہ لوگ حدیث ابوذرؓ کی پیش کر کے جواب دے سکتے ہیں:

عن ابي ذر قال رسول الله ما من عبد قال لا إله الا الله ثم مات على ذلك إلا دخل الجنة. قلت: وإن زنى وإن سرق؟ قال: وإن زنى وإن سرق. قلت: وإن زنى وإن سرق؟ قال: وإن زنى وان سرق. قلت: وإن زنى وإن سرق؟ قال: وان زنى وإن سرق على رغم أنف أبي ذر.

رواه الشيخان

”یعنی کہا ابوذرؓ نے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے نہیں کوئی بندہ جو کہے لا الٰہ الا اللہ پھر مر گیا اسی پر مگر جاوے گا وہ بہشت میں۔ کہا میں نے اگرچہ زنا کیا اور اس نے اور چوری؟ فرمایا آنحضرتؐ نے اگرچہ زنا کیا ہو اس نے اور چوری۔ کہا میں نے اگرچہ زنا کیا ہو اس نے اور چوری؟ فرمایا آنحضرتؐ نے اگرچہ زنا کیا ہو اس نے اور چوری۔ کہا میں نے اگرچہ زنا کیا ہو اس نے اور چوری؟ فرمایا آنحضرتؐ نے اگرچہ زنا کیا ہو اس نے اور چوری، اوپر خاک آلودہ ہونے ناک ابوذر کے۔“

فائدہ:

یعنی اگرچہ ابوذر رضی اللہ عنہ کو بہشتی ہونا زانی اور چور کا اچھا نہیں معلوم ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کو بہشت میں داخل کرے گا۔ اسی طرح ہر ملحد موافق مطلب اپنے کے احادیث پیش کرسکتا ہے۔ الغرض بمقتضائے قاعدہ آپ کے یعنی عمل کرنا اور نہ کرنا برابر ہے، استیصال احکامِ شریعتِ محمدی کا لازم آتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ بمنہ وکرمہ

ایسے قاعدہ کو نسبت کرنا طرف صحابہ کرام کے محمدیت سے بعید ہے بلکہ صحابہ یکسر موے (بال برابر) مخالفت سنّت کو برا جانتے تھے۔ نقل ہے ایک اصحابی کی جو حضرت عمرؓ کی طرف سے حاکم تھا، بھیجا اس نے ایک قاصد کو طرف حضرت عمرؓ کے، واسطے کسی کام کے۔ جب ہٹ کر آیا قاصد پوچھا اس نے کہ خلیفہ رسول اللہؐ کا کوئی عمل مخالف سنّت کے تیری نظر میں آیا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ میری نظر میں کوئی حرکت خلافِ سنّت کی نظر نہیں آئی مگر دو انڈے حضرت عمرؓ نے میرے روبرو کھائے اور دو بستر خلیفہ کے نیچے مجھ کو نظر آئے اور یہ دونوں عمل سنّت کے خلاف ہیں۔ کہا اس صحابی نے کہ حکومت نہ کروں گا جب تک کے دریافت نہ کروں خلیفہ سے اس امر کو۔ پھر چل پڑے راہ دور دراز سے مدینہ منورہ

کو۔ جب پہنچے حضرت عمرؓ کے پاس قبل سلام کہے کلام زبان پر لائے کہ آیا نازل ہوئی ہے تیرے پر وحی یا شریعت بدل گئی ہے؟ فرمایا حضرت عمرؓ نے کے اے بھائی کیا کہتا ہے؟ تو کہا انہوں نے کہ کیوں کھائے دو انڈے تو نے اور حالانکہ حضرت ﷺ نے نہیں کھائے اور کیوں بچھائے تو نے دو بستر مخالف سنّت کے؟ فرمایا حضرت عمرؓ نے کہ یہ غلطی قاصد کی ہے میں نے بسبب خشونت حلق کے زردی انڈے کی جدا کھائی اور سفیدی جدا اور بسبب معلول ہونے طبیعت کے ایک ہی بستر دوہرا کر لیا تھا۔

پھر جمعہ کے دن حضرت عمرؓ خطبہ پڑھنے لگے اور فرمایا کہ سنو لوگو میری بات اور قبول کرو۔ کہا اسی اصحابی کھڑے ہو کر کہ نہ سنیں گے تیری بات اور نہ قبول کریں گے کیونکہ قبل نماز جمعہ کے اور کرتا تھا اور اب اور ہے اور حالانکہ آنحضرت ﷺ نے دو کرتے نہیں رکھے۔ فرمایا حضرت عمرؓ نے کہ یہ کرتا میں نے اپنے بیٹے سے مانگ کر واسطے جمعہ کے لیا ہے۔ اپنے بیٹے سے حضرت عمرؓ نے اسی وقت گواہی دلائی۔ پھر کہا اس اصحابی نے کہ اب سنیں گے ہم تیری بات اور قبول کریں گے۔

وإذا وعيت هذا فلا تحمل عمل الصحابة إلا على محمل صحيح كما أن عمل عبد الله بن عمر يحمل على أنه اطلع على نقص حديثه بوجه من الوجه وكذلك عائشة عملت بقوله تعالى حتى تنكح زوجا غيره لأنه أسند في الآية النكاح إلى المرأة وحدها ولهذا لم تعمل بروايتها فاحفظ فإنه ينفعك في كثير من المواضع. والله أعلم وعلمه أتم

(۳۵) مضمون صفحہ ۴۲

"اختلافِ فقہاء کو مثل آیتِ کفارہ کے جاننا چاہیے:

﴿إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَو كِسْوَتُهُمْ أَو تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾ [المائدة: ۸۹]

''یعنی کھانا کھلادو دس مسکینوں کو یا کپڑے پہنادو دس کو یا ایک غلام کو آزاد کردو۔''
جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے ان تین امور میں اختیار دے دیا ہے جس کو چاہے کر لے اسی طرح چار ائمہ میں سے کسی کا مسئلہ برت لیا اور کبھی کسی اور کا ورنہ چاروں کے حق ہونے کے کیا معنیٰ ہیں اور جیسا روافض وغیرہ کے مسئلے پر عمل کرنا درست نہیں ہے اگر ان کے مسئلے پر بھی عمل درست نہ ہوا تو کس وجہ سے خارجیوں کو دوزخی سمجھا جاوے اور شافعیوں کو جنتی؟''

اقول وباللہ التوفیق:

اہلِ سنت جماعت کا یہی مذہب ہے کہ جیسے آیتِ کفارہ مذکورہ میں یہ حکم ہے کہ تین چیزوں میں سے ایک ضرور ادا کریں ورنہ گنہگار ہوگا۔ اسی طرح چار مذاہب میں سے ایک کو اختیار کرلے ورنہ گمراہ ہوجائے گا اور جیسا تینوں امور میں سے کچھ ادا کرنے سے بایں طریق کہ دو آدمی کو کھانا کھلا دیا اور تین آدمیوں کو کپڑے پہنا دیے اور نصف غلام آزاد کردیا، کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔ اسی طرح بلا ضرورت ہر مذہب سے کچھ کچھ لے کر عمل کرنے والا گناہ گار ہوگا۔

اور چاروں کے برحق ہونے کے یہی معنی ہے کہ چاروں میں سے ایک پر عمل کرنے والا فرقہ ناجیہ میں داخل ہے۔ یہی ہیں معنیٰ حدیث ''اختلافُ امتی رحمۃٌ'' کے اور لکھا ہے شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ میں:

''در غیر منصوصات حکم معین نیست از جانب خدا بلکہ حکم الٰہی در حق ہر کس ہمانست کہ در اجتہادِ اوست یا در اجتہادِ متبوعِ اوست۔ ہمیں ست معنیٰ اختلاف امتی رحمۃ۔'' انتہی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۳۶)مضمون صفحہ ۴۴

”واسطے منع الحمد کے کوئی حدیثِ صحیح منقول نہیں اور صحاحِ ستہ میں اس کے منع کا ذکر بھی نہیں ہے حدیث میں۔“

اقول وباللہ التوفیق:

یہ بالکل غلط ہے بلکہ آیت یہ دلالت کرتی ہے کہ پڑھنا سورہ فاتحہ کا پیچھے امام کے درست نہیں۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ [الأعراف: ٢٠٤]

”فرمایا اللہ جلّ شانہ، نے: پس جس وقت پڑھا جاوے قران پر سنو تم اس کو اور چپکے رہو تاکہ رحم کیے جاؤ تم۔“

اور کہا امام احمد نے:

(٢) أجمع الناس على أن هذه الآية نزلت في الصلاة.

یعنی نزول اس آیت کا نماز کے بارے میں ہوا ہے اور حدیث:

(٣) إنّما جعل الإمام ليؤتمّ فإذا كبّر فكبّروا وإذا قرأ فأنصتوا.

تفسیر اور بیان ہے آیت کا۔ روایت کیا اس حدیث کو ابن ماجہ اور نسائی اور ابوداؤد اور مسلم نے اور کہا مسلم نے کہ یہ حدیث صحیح ہے پس جب مقتدی کو بموجب آیت مذکورہ چپکے رہنا ضرور ہوا تو الحمد کا پڑھنا کب درست ہو گا؟

اور احادیث اس باب میں بہت ہیں، کچھ بطور اختصار کے بیان کیے جاتے ہیں۔ کہا امام محمد نے موطا میں:

(٤) عن جابر بن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله

عليه وسلم من صلى خلف الإمام فإن قراءة الإمام له قراءة.

یعنی مقتدی کو قراءت امام کی کفایت کرتی ہے اور کہا امام محمد نے:

(٥) عن عبد الله بن شداد بن الهاد: أمّ رسول الله صلى الله عليه وسلم للناس في العصر، قال: فقرأ رجل خلفه فغمزه الذي يليه فلما أن صلى قال لم غمزتني؟ قال كان رسول الله قدّامك فكرهت أن تقرأ خلفه فسمعه النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان له إمام فإن قراءة الإمام له قراءة.

"امامت کی جناب رسولِ خدا ﷺ نے وقت عصر کے، پس پڑھا ایک شخص نے پیچھے آپ کے، پس ٹہوکا اس کو پاس والے نے، پھر بعد نماز کے پوچھا کہ کیوں ٹہوکا تو نے مجھ کو؟ کہا اس شخص نے کہ برا معلوم ہوا مجھ کو پڑھنا تیرا پیچھے رسولِ خدا ﷺ کے۔ حضرت ﷺ نے یہ ماجرا سن کر فرمایا جس کے لیے ہو امام پس قراءۃ امام کی مقتدی کے واسطے قراءت ہے۔"

روایت کیا اس کو حاکم اور طحاوی اور ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابوحنیفہ نے ساتھ اسناد صحیح کے۔

(٦) وعن عبد الله بن عمر: أنّ النبيّ صلى الله عليه وسلم قال: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة.

روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

(٧) وقال عمر بن الخطاب ليت في فم الذي يقرأ خلف

الإمام حجرا.

''کہا عمر بن خطابؓ نے کاش کہ پتھر ہوں اس کے منہ میں جو شخص پڑھے پیچھے امام کے۔'' روایت کیا اس کو امام محمد نے۔

(۸) وقال علي بن أبي طالب: من قرأ خلف الامام فقد أخطأ الفطرة.

اور فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس شخص نے پڑھا پیچھے امام کے پس تحقیق مخالفت کی اس نے دین کی۔ روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے۔

فإذا ثبت دفع الحديثين المذكورين إلى الخليفتين مع كونهما مخالفين للقياس كان كرفعهما إلى النبي صلى الله عليه وسلم لقوله عليه السلام: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين . الحديث

اور روایت ہے عبید اللہ بن مقسم سے:

(۹) أنه سال عبد الله بن عمر وزيد بن ثابت وجابر بن عبد الله فقالوا: لا تقرأ خلف الإمام في شيء من الصلاة.

یعنی کہا عبد اللہ اور زید اور جابر رضی اللہ عنہم نے نہ پڑھ تو پیچھے امام کے کسی نماز میں۔ روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

(۱۰) قال جابر: من صلى ركعة لم يقرأ بأم القرآن فلم يصلّ إلّا أن يكون وراء الامام.

جس نے پڑھی کوئی رکعت نہ پڑھا اس میں سورہ فاتحہ پس نہ ہوئی نماز اس کی مگر

اگر ہو پیچھے امام کے۔ روایت کیا اس کو ترمذی وغیرہ نے اور کہا ترمذی نے: هذا حديث حسن صحيح

(١١) عن عطاء أنه سأل زيد بن ثابت عن القراءة فقال: لا قراءة مع الإمام في شيء.

یعنی نہیں قراءۃ ساتھ امام کے کہیں۔ روایت کیا اس کو مسلم اور نسائی اور ابن ابی شیبہ نے۔

(١٢) وعن نافع عن عبد الله بن عمر كان إذا سئل هل يقرأ أحد خلف الإمام؟ يقول: فحسبه قراءة الامام وإذا صلى وحده فليقرأ. قال كان عبد الله بن عمر لا يقرأ خلف الإمام.

"جب کوئی پوچھتا عبداللہ بن عمرؓ سے قراءۃ خلف امام کو، فرماتے کافی ہے اس کو پڑھنا امام کا اور جب پڑھے تنہا پس چاہیے کہ پڑھے قراءۃ کو ضرور۔"

روایت کیا اس کو امام مالک اور امام محمد اور طحاوی وغیرہ نے۔

(١٣) وعن إبراهيم أن عبد الله بن مسعود لم يقرأ خلف الإمام لا في الركعتين ولا في غيرهما.

نہیں پڑھتے تھے ابن مسعود پیچھے امام کے کسی رکعت میں۔

روایت کیا اس کو امام اعظم نے۔

(١٤) وعنه أنه لم يقرأ علقمة خلف الإمام حرفا لا فيما يجهر فيه ولا فيما لا يجهر فيه ولا بأم الكتاب ولا بغيرها

ولا أصحاب عبد الله بن مسعود جميعا.

”نہیں پڑھا علقمہ نے پیچھے امام کے سورہ فاتحہ اور نہ غیر اس کا کسی نماز میں۔ یہی عمل تھا عبداللہ بن مسعودؓ کے یاروں کا۔“ روایت کیا اس کو امام اعظم نے۔

(١٥) قال أبو حمزة: قلت لابن عباس: أقرأ والامام بين يدي؟ فقال لا.

”کہا ابو حمزہ نے کہ کہا میں نے ابن عباس سے کیا پڑھوں میں پیچھے امام کے؟ پس کہا ابن عباس نے کہ نہ۔“

روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

(١٦) قال أبو الدرداء: أرى أن الإمام إذا أم القوم فقد كفاهم.

کہا ابو درداءؓ نے کہ میرے اعتقاد میں یہ ہے کہ امام کفایت کرتا ہے مقتدیوں کو یعنی ان کو حاجت قرات کی نہیں۔ روایت کیا اس کو طحاوی اور نسائی نے۔

(١٧) قال سعد: وددت أن الذى يقرأ خلف الإمام فى فيه جمرة.

کہا سعد رضی اللہ عنہ نے جو صحابہ عشرہ مبشرہ سے ہیں: دوست رکھتا ہوں میں تحقیق انگاروں سے بھرا جاوے منہ پڑھنے والے کا پیچھے امام کے۔

(١٨) وقال علقمة: لأن أعضّ على جمرة أحب إلى من أن أقرأ خلف الإمام.

روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو امام محمد نے۔

(١٩) قال عبد الله بن مسعود: ليت الذي يقرأ خلف الامام ملئ فوه ترابا.

”کہا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کاش کہ بھرا جاوے خاک سے منہ پڑھنے والے

پیچھے امام کے۔"

روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

(۲۰) قال ثابت: من قرأ خلف الإمام فلا صلاة له.

جس نے پڑھا پیچھے امام کے نہیں ہوتی نماز اس کی۔

روایت کی ہے اس کو امام محمد نے۔

(۲۱) قال الشعبي: أدركت سبعين بدريا كلهم على أنه لا يقرأ خلف الامام.

ذکر کیا اس کو کرمانی شارح بخاری نے اور کہا سرخسی نے:

(۲۲) أجمع الصحابة على منع القراءة خلف الإمام.

اجماع یا صحابہ نے اوپر منع ہونے قرأۃ خلف امام کے۔

ذکر کیا اس کو ابن ہمام نے فتح القدیر میں۔

یہ سب آثار بسبب مخالف ہونے قیاس کے حکم مرفوع میں ہے۔

قال الشيخ عبد الحق في بعض تصانيفه: والرفع الحكمي فكإخبار الصحابي عن ترتب ثواب أو عقاب على فعل أو يفعل ما لا مجال فيه للاجتهاد أو يخبر أنه من السنة إلى غير ذلك من الصور التي لا مجال فيه للاجتهاد. انتهى ملخصا

واذا قرعت سمعك هذه الأدلة من الكتاب والسنة وأقوال الصحابة وإجماعهم فلا أظنك شاكا في كون القراءة خلف الإمام غير مشروع. ولذا قال إبراهيم

النخعي: الذي يقرأ خلف الإمام فاسق. رواه ابن أبي شيبة الذي هو من أساتذة الشيخين بإسناد صحيح. والله أعلم وعلمه أتم.

(۳۷) مضمون صفحہ ۴۴

"کوئی حدیث آمین آہستہ کی صحاحِ ستہ میں نہیں ہے۔"

اقول وباللہ التحقیق:

یہ بات بالکل غلط ہے۔ آیت اور احادیثِ صحیحہ سے علماء حنفیہ نے آمین آہستہ کو ثابت کیاہے۔ قال الله تعالى:

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ [الأعراف: ٥٥]

فرمایا خدئے تعالیٰ نے: دعا مانگو رب اپنے سے گڑگڑا کر اور چپکے۔

آمین کا دعا ہونا آیت ﴿قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ [يونس: ٨٩] سے ثابت ہے۔ پس آمین کو آہستہ کہنے والے کا عمل موافق کلام اللہ کے ہوا۔

عن وائل بن حجر قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم إذا قرأ ولا الضآلين فقال آمين، خفض بها صوته.

روایت کیا ہے اس کو ابن ابی شیبہ نے اور یہ حدیث صحیح ہے اوپر شرط بخاری اور مسلم کے۔

وعنه: أنه صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم، فلما بلغ غير المغضوب عليهم ولا الضآلين قال آمين وأخفى بها صوته.

خلاصہ ترجمہ ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں "و لا الضآلّین "کے بعد آمین آہستہ کہی۔ روایت کیا اس کو امام احمد اور ابوداؤد طیالسی وغیرہ نے اپنے مسانید میں اور حاکم نے مستدرک میں اور کہا حاکم نے "هذا حديث صحيح ولم يخرجاه" یہ حدیث صحیح ہے اور نہ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے یہ اعتراض ہے اوپر شیخین کے کہ کیوں نہ داخل کیا اس کو صحیحین میں۔

عن سعيد بن المسيّب عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قال الإمام والضآلين فقولوا آمين، فإن الملائكه تقول آمين وإنّ الإمام يقول آمين، فمن وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر لهم ما تقدم من ذنبه.

"فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہے امام ولاالضآلین پس کہو تم آمین کیونکہ فرشتے کہتے ہیں آمین اور کہتا ہے امام آمین۔ پس جو شخص کہ موافق ہو آمین ان کی ساتھ آمین فرشتوں کے، بخشے جاتے گناہ اس کے پہلے۔"

فائدہ:

قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ "کہتا ہے امام آمین" صاف دلالت کرتا ہے اوپر آہستہ ہونے آمین کے ورنہ اس قول کا بے فائدہ ہونا لازم آوے گا اور کہا ہے قاضی عیاض نے مراد موافقت سے موافقت فی الصفۃ ہے۔ یعنی جیسے فرشتے آمین کو آہستہ کہتے ہیں یہ بھی آہستہ کہے اور جیسے فرشتے خشوع اور اخلاص سے کہتے ہیں اسی طرح مقتدی کو اخلاص اور خشوع چاہیے۔

عن أبي هريرة أن رسول الله قال: إذا قال الإمام ولا الضالين فقولوا آمين، فإنه من وافق قوله قول الملائكة

غفر له ما تقدم من ذنبه. البخاري والنسائي وأبو داود

عن سمرة: سكتتان حفظتهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا لقتادة: ما هاتان السكتتان؟ قال إذا دخل فی صلاته وإذا قال ولا الضآلين. رواه أبو داود

دو سکتے یاد رکھتا ہوں میں رسول اللہ ﷺ سے۔ کہا ہم نے قتادہ سے کہ کون سے ہیں دو سکتے؟ کہا قتادہ نے کہ جب داخل ہوتے نماز میں یعنی سبحانک اللّٰہم آہستہ پڑھنے کے لیے سکتہ کرتے اور جب فارغ ہوتے قراءۃ فاتحہ سے یعنی دوسرا سکتہ کرتے آمین کہنے کے لیے۔

قال الطيبي: والأظهر أن السكتة الأولى للثناء والسكتة الثانية للتأمين.

قال أبو وائل: لم يكن عمر وعلى يجهران ببسم الله ولا بالتأمين.

کہا ابو وائل نے نہیں تھے عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور علی جہر کرتے ساتھ بسم اللہ اور آمین کے۔ روایت کیا اس کو طبرانی نے تہذیب الآثار میں۔

وعنه: كان عمر وعلي رضي الله عنهما لا يجهران بالبسملة ولا بالتعوذ ولا بالتأمين.

ذکر کیا اس کو سیوطی نے جمع الجوامع میں۔

پس جبکہ ثابت ہوا دونوں خلیفوں سے آہستہ کہنا آمین کا پس بموجب حدیث عليكم بسنتي وسنة الخلفاء کے ہم کو بھی آہستہ کہنا ضرور ہوا۔

عن ابن مسعود: أربع يخفيهن الإمام وذكر منها آمين.

کہا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے چار چیز کو آہستہ کہے امام، ذکر کیا ان میں آمین کو۔

هذا الأثر لكونه مخالفا للقياس أيضا في حكم المرفوع لما مر من قبل فتذكر.

أيضًا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما حدثكم ابن مسعود فصدقوه.

فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیان کریں ابن مسعود رضی اللہ عنہ پس سچا جانو تم اس کو۔

بموجب آیت اور احادیث اور آثارِ مذکورہ کے اخفائے آمین کو اختیار کیا علمائے حنفیہ نے اور ایک قول امام مالک اور قولِ جدید امام شافعی کا بھی یہی ہے۔ کہا یہ عینی نے شرح بخاری میں اور کوئی حدیث جہر کی اوپر شرط شیخین کے ثابت نہیں ہوئی ورنہ بخاری اور مسلم ضرور بیان کرتے اور تنویر الحق میں لکھا ہے کہ حدیث وائل کی جس میں ذکر جہر کا ہے معارض ہے ساتھ اس حدیث وائل کے جس میں ذکر اخفاء کا ہے۔ پس ساقط ہو جاویں گی یہ حدیثیں اور باقی رہیں گی ہمارے لیے حدیثیں سکتہ کی اور آثار اور آیتِ شریفہ۔

اور یہ کہنا ہمارا ہے بعد تسلیم کے، ورنہ حدیث جہر کی صحت کو نہیں پہنچتی ہے۔ غایت یہ کہ وہ حسن ہو۔ سو بھی روایت مد کی ہے نہ روایت جہر کی اور حدیث اخفا کی صحیح ہے اوپر شرط صحیح بخاری اور مسلم کے۔ پس اس صورت میں ساقط ہو گئی حدیث جہر کی، باقی و سالم رہیں ہمارے لیے حدیثیں اخفا اور سکتہ کی اور آثار اور آیت شریفہ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

(۳۸) مضمون صفحہ ۴۴

”اسی طرح رفع الیدین کو بڑے بڑے حنفی سنّت کہتے ہیں۔“

اقول وباللہ التوفیق:

علمائے حنفیہ کے نزدیک رفع الیدین کا سنّت ہونا ثابت نہیں بموجب ان احادیث کے:

(١) عن جابر بن سمرة قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ونحن رافعوا أيدينا في الصلاة. فقال: ما بال رافعي أيديهم في الصلاة كأنها أذناب خيل شمس؟ اسكنوا في الصلاة.

"کہا جابر رضی اللہ عنہ نے کہ نکلے ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حال میں کہ ہم اٹھانے والے تھے ہاتھ اپنے نماز میں۔ پس فرمایا کیا حال ہے ہاتھوں کے اٹھانے والوں کا نماز میں گویا کہ وہ دُمیں ہیں سرکش گھوڑوں کی؟ سکون کرو یعنی ہاتھ نہ اٹھاؤ نماز میں۔"

روایت کیا اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے جو استاد ہیں بخاری اور مسلم کے اپنی کتاب مصنف میں۔

(٢) عن جابر بن سمرة قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال مالي أراكم رافعي أيديكم كأنها أذناب خيل شمس؟ اسكنوا في الصلاة.

روایت کیا ہے اس کو مسلم نے۔

(٣) عن البراء بن عازب أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم كان إذا افتتح الصلاة رفع يديه ثم لم يرفعهما حتى يفرغ.

"تحقیق رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے اٹھاتے دونوں ہاتھوں کو شروع نماز میں، پھر نہ

اٹھاتے فارغ ہونے تک۔"

روایت کیا اس کو دارقطنی اور ابوداؤد اور طحاوی وغیرہ نے۔

(٤) عن علقمة قال: قال عبد الله بن مسعود: ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فصلى فلم يرفع يديه إلا في أول مرة.

"کہا عبداللہ بن مسعودؓ نے کیا نہ پڑھاؤں نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی؟ پھر نماز پڑھی، پس نہ اٹھائے ہاتھ اپنے مگر پہلی بار۔"

روایت کیا اس کو ابوداؤد اور طحاوی اور استاد بخاری اور مسلم کے نے۔

(٥) وعنه قال: ألا أخبركم بصلاة رسول الله؟ فقام فرفع يديه أول مرة ثم لم يعد.

روایت کیا اس کو نسائی نے۔

(٦) وعنه قال: صليت خلف النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر فلم يرفعوا أيديهم إلا عند افتتاح الصلاة.

"کہا عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہ نماز پڑھی میں نے پیچھے ان کے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے پس نہ اٹھائے انھوں نے ہاتھ اپنے مگر وقت شروع کرنے نماز کے۔"

روایت کیا اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے جو استاد ہیں بخاری اور مسلم کے اپنی کتاب مصنف میں۔

(٧) أن عبد الله بن عباس قال: قال النبی صلى الله عليه وآله وسلم: لا ترفع الأيدي في شيء إلا في سبع مواطن:

في افتتاح الصلاة وفي العيدين وعند استلام الحجر وعلى الصفا والمروة وعند عرفات وعند جمع وعند رمي الجمار.

"فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: نہ اٹھائے جاویں ہاتھ کسی چیز میں مگر سات جگہوں میں: شروع نماز میں اور عیدین اور وقت چومنے حجرِ اسود کے اور صفا اور مروہ پر اور نزدیک عرفات اور مزدلفہ اور رمی جمار کے۔"

روایت کیا اس کو بیہقی نے۔

اور رفع یدین دعا قنوت میں بموجب حدیث ہدایہ کے ہے:

(۸) قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: لا ترفع الأيدي إلا في سبع مواطن: تكبيرة الافتتاح وتكبيرة القنوت ... الخ

"یعنی نہ اٹھائے جاویں ہاتھ مگر سات جگہ: ابتدا نماز کے اور تکبیر قنوت میں۔۔۔آخر حدیث تک" بیان کیا اس کو ہدایہ میں۔

(۹) قال في الكبيري: ورفع اليدين في تكبيرة القنوت مروي عن عمر وعلي وابن مسعود وابن عباس وابن عمر والبراء بن عازب رضي الله عنهم.

"یعنی رفع یدین کرنا قنوت میں روایت کیا گیا ہے اصحابِ مذکورین سے۔"

ذکر کیا اس کو اثرم نے اور بیہقی نے بیچ سنن کبیر کے۔

(۱۰) قال الملا على القاري في الرساله التي ألفها لتحقيق الأحاديث الموضوعة: وقال السخاوى حديث وكيع يسنده عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه

وآله وسلم: يرفع الأيدي عند سبع مواطن: عند افتتاح الصلوات واستقبال القبله والصفا والمروة والموقفين والجمرتين لا يصح رفعه والصحيح وقفه على ابن عمر وابن عباس. قلت وعلى تقدير عدم صحة رفعه يكفينا صحة وقفه لا سيما وهو في حكم المرفوع إذ لا يقال مثل هذا من قبل الراوي فكيف وقد روى الطبراني بسنده عن ابن أبي ليلي عن الحكم عن المقسم عن ابن عباس عنه عليه الصلاة والسلام: لا ترفع الأيدي إلا في سبع مواطن: حين تفتح الصلاة وحين يدخل المسجد الحرام فينظر الى البيت وحين يقوم على الصفا والمروة وحين يقف مع الناس عشية عرفة وبجمع والمقامين حين يرمي والجمرة.

وذكره البخاري معلقا في كتابه المفرد في رفع اليدين فقال: وقال وكيع ابن ابي ليلى عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس عنه: ألا لا ترفع الأيدي ... آه

یعنی نہ اٹھائے جاویں ہاتھ بجز سات مقام مذکورہ کے۔ ثابت ہے بموجب سند وکیع اور طبرانی اور ذکر کرنے امام بخاری کے اپنی کتاب مفرد میں جو بیچ بیان رفع الیدین کے ہے۔

فائدہ:

پس حدیثِ قولی واسطے عدمِ رفع کے پائی گئی اور واسطے رفع یدین کے کوئی حدیثِ قولی صحاحِ ستہ میں نہیں ہے۔ پس عمل حنفیوں کا موافق اس آیت کے ہوا:

قال الله تعالى: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [الحشر: ۷]

(۱۱) روایت کیا ہے امام اعظم رحمہ اللہ نے حماد سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے اسود سے:

أن عبد الله بن مسعود كان يرفع يديه في أول تكبيرة ثم لا يعود إلى شيء من ذلك ويأثر ذلك إلى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم.

"عبد اللہ بن مسعودؓ اٹھاتے تھے ہاتھ اول تکبیر میں پھر نہ عود کرتے تھے طرف کسی چیز کے اور نقل کرتے تھے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے۔"

(۱۲) قال محمد بن أبي يحيى: صليت إلى جنب عبد الله بن الزبير فجعلت أرفع يديه في كل رفع وخفض، قال: يا ابن أخي رأيتك ترفع في كل رفع وخفض وأن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم كان إذا افتتح الصلاة رفع يديه ثم لا يرفع في شيء حتى فرغ.

"کہا محمد نے کہ نماز ادا کی میں نے طرف پہلو عبداللہ بن الزبیر کے پس رفع یدین کیا میں نے ہر اٹھنے اور جھکنے میں۔ کہا عبداللہ بن زبیر نے بھتیجے! دیکھا میں

نے تجھ کو ہاتھ اٹھاتے ہر اٹھنے اور جھکنے میں اور حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھاتے تھے ابتدا نماز میں، پھر نہ اٹھاتے تھے کسی چیز میں فارغ ہونے تک۔'' روایت کیا اس کو بیہقی نے خلافیات میں۔

(١٣) عن جابر: رأيت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم رفع يديه حين افتتح الصلاة ثم لا يرفعها حتى انصرف. أخرجه أبو داود

''یعنی دیکھا میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھاتے دونوں ہاتھ ابتدا نماز میں پھر نہ اٹھاتے سلام پھیرنے تک۔'' یہ حدیث جامع الاصول اور بحر الرائق وغیرہ میں موجود ہے۔

(١٤) عن عبد الله بن مسعود قال: ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال فصلى فلم يرفع يديه إلا مرة. وفي رواية سفيان قال: فرفع يديه في أوّل مرة وقال بعضهم مرة واحدة.

(١٥) عن البراء أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم كان إذا افتتح الصلاة رفع يديه إلى قريب من أذنيه ثم لا يعود.

(١٦) وفي رواية قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين افتتح الصلاة ثم لم يرفعهما حتى انصرف. روي هذه الأحاديث أبو داود

”حاصل ترجمہ اس کا یہ ہے کہ نہیں اٹھائے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوائے تکبیر اولیٰ کے۔“ روایت کیا ان احادیث کو ابوداؤد نے۔

(۱۷) قال أسود: رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه في أول تكبيرة الافتتاح ثم لا يعود.

یعنی رفع یدین کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیچ تکبیر اول کے، پھر نہیں کیا۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے اور ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے۔

(۱۸) اسی طرح سے منقول ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے:

عن كليب أن عليا كان يرفع يديه إذا افتتح الصلاة ثم لا يعود.

روایت کیا اس کو امام محمد اور طحاوی وغیرہ نے ساتھ سندِ صحیح کے۔

(۱۹) ذكر الزيلعي عن ابن مسعود أنه قال: صليت خلف النبي صلى الله عليه وآله وسلم وأبي بكر وعمر وعثمان فلم يرفعوا أيديهم إلا عند افتتاح الصلاة.

”نماز پڑھی میں نے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے ثلاثہ کے، پس نہ رفع یدین کیا انہوں نے بدوں تکبیر تحریمہ کے۔“

(۲۰) قال إبراهيم: كان عبد الله لا يرفع يديه في شيء من الصلاة إلا في افتتاح الصلاة.

روایت کی یہ طحاوی نے ساتھ سندِ صحیح کے۔

(۲۱) قال عبد العزيز: رأيت ابن عمر يرفع يديه حذاء أذنيه في أول تكبيرة افتتاح الصلاة ولم يرفعهما فيما سوى ذلك.

روایت کیا اس کو امام محمد نے۔

(۲۲) قال مجاهد: ما رأيت ابن عمر يرفع يديه إلا في أول ما يفتتح الصلاة.

روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے جو استاد ہیں بخاری کے۔

(۲۳) قال الزيلعي: روى عن مجاهد: خدمت ابن عمر عشر سنين فما رأيته يرفع يديه في شيء من صلواته إلا في التكبيرة الأولى.

"کہا مجاہد نے خدمت کی میں نے ابن عمرؓ کی دس برس، پس نہیں رفع یدین کیا انہوں نے مگر تکبیرِ تحریمہ میں۔"

(٢٤) قال عمرو بن مرة: دخلت مسجد حضرموت فإذا علقمة بن وائل يحدث عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم كان يرفع يديه عند الركوع وبعده. فذكرت ذلك لإبراهيم، فغضب وقال رآه هو ولم يره ابن مسعود ولا أصحابه؟

"کہا عمرو بن مرہ نے داخل ہوا میں بیچ مسجد حضرموت کے، پس ناگہاں علقمہ بن وائل حدیث بیان کر رہے تھے باپ اپنے سے کہ تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفع یدین کرتے تھے رکوع میں اور بعد رکوع کے۔ پس ذکر کیا میں نے اس کا ابراہیم کے پاس۔ پس غصہ میں آئے وہ اور کہا کہ دیکھا رفع یدین کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وائلؓ نے اور نہ دیکھا عبداللہ بن مسعود نے اور نہ ان کے یاروں نے؟" رویت کیا اس کو طحاوی نے۔

(٢٥) وأما ما روى خلاف ذلك فيحتمل النسخ كما تدل عليه هذه الأخبار التي قد بلغ قدر المشترك منها حد الشهرة. منها ما سمعت الآثار الأربع التي روى إبراهيم وعبد العزيز وابن أبي شيبه والزيلعي أن ابن عمر لم يكن يرفع يديه مع كونه راويا لحديث الرفع. فعدم عمله على حديث الرفع ينادي على أن عدم الرفع الذي روي عنه "ترفع الأيدي في سبع مواطن" صحيح عنده.

(٢٦) ومنها ما رويت في الأحاديث المذكورة عمل الخلفاء بعد النبي صلى الله عليه وآله وسلم على عدم الرفع.

(٢٧) ومنها ما روي عن ابن مسعود: رفع النبي صلى الله عليه وآله وسلم فرفعناه وترك فتركناه. ذكره في الكافي

"رفع یدین کیا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پس کیا ہم نے بھی اور جب چھوڑ دیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا ہم نے بھی۔"

(٢٨) ومنها ما روى أحد من الرواة قال حين رأى النبي صلى الله عليه وآله وسلم أقواما يرفعون أيديهم في الصلاة عند الركوع وعند رفع الرأس من الركوع فقال: مالي أراكم رافعي أيديكم كأنها أذناب خيل شمس؟ اسكنوا في الصلاة. وفي رواية: كفوا في الصلاة. ذكره في

النهاية

"دیکھا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو رفع یدین کرتے رکوع اور بعد رکوع کے۔ پس فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: کیا ہے واسطے میرے کہ دیکھتا ہوں میں تم کو رفع یدین کرتے گویا کہ وہ دُمیں ہیں گھوڑوں سرکشوں کی؟ سکون کرو نماز میں۔"

(۲۹) منها ما روي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه: أن العشرة المبشرة ما كانوا يرفعون أيديهم إلا في افتتاح الصلاة. ذكره في النهاية والكفاية

"عشرہ مبشرہ نہیں تھے رفع یدین کرتے سوائے تکبیر تحریمہ کے۔"

(۳۰) منها ماروي عن ابن الزبير أنه رأى رجلا يصلي في المسجد الحرام كان يرفع يديه عند الركوع ورفع الرأس منه. فلما فرغ من صلوته قال لا تفعل، فإن هذا شيء فعله النبي صلى الله عليه وآله وسلم ثم ترك. ذكره ابن همام في فتح القدير

"دیکھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک نمازی کو خانہ کعبہ میں رفع یدین کرتے۔ کہا اس کو بعد نماز کے کہ رفع یدین نہ کرا کر، کیونکہ اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے ترک کر دیا تھا۔"

(۳۱) منها ما قال ابن عباس: ما رأيت فقيها قط يفعله يرفع يديه في غير التكبيرة الأولى.

"نہیں دیکھا میں نے کسی عالم کو کبھی رفع یدین کرتے ہیں سوا تکبیر تحریمہ کے۔"

روایت کیا اس کو طحاوی نے معانی آثار میں۔

پس جب کہ ہوئیں حدیثیں اور آثار دلالت کرنے والے اوپر عدمِ رفع یدین کے جیسا کہ اوپر گزرا اور عمل کیا ان پر امام اعظم اور صاحبین نے اور امام مالک وغیرہ نے۔ ذکر کیا اس کو عینی نے شرح بخاری میں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

(۳۹) مضمون صفحہ ۴۵

”انتقال ایک مذہب سے طرف دوسرے مذہب کے درست ہے جیسا کہ عبدالعزیز مقلاص پہلے مالکی تھے، جب امام شافعی مصر میں آئے تو لازم پکڑا مذہب ان کا۔ اسی طرح ابو جعفر ترمذی تھے حنفی، فقہ امام شافعی کے پڑھ کر شافعی ہو کر ایک سو پچانوے ۱۹۵ھ میں وفات پا گئے۔“

اقول وباللہ التوفیق:

یہ نقلیں تقلیدِ معیّن کو مؤیّد ہیں کیونکہ حاصل ان کا یہ ہے کہ وہ دونوں عالم پہلے ایک مذہب کے پابند تھے، بعد اس کے دوسرے مذہب کے اخیر عمر تک پابند رہے۔ اور انتقال اس وقت میں خصوصًا ایسے ذی علموں کو منع نہیں تھا کیونکہ وہ زمانہ صلاح کا تھا اور وجوبِ تقلیدِ معین پر اس زمانہ میں اجماع بھی نہیں ہوا تھا اور اِس زمانے میں انتقال درست نہیں۔

قال ابن الهمام: لا يكون ذلك في زماننا إلا لميله إلى لهو وباطل ابتغاء للمفر عن الحق ليكون عذرا له عند الجهلة في تركه للصواب البين وهو في الحقيقة طعن على مجتهده. فكيف لا يعزّر من بلغ هذا المبلغ؟ انتهي

حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ آج کل انتقال واسطے لہو اور باطل کے ہیں اور نام مذہب دوسرے کا صرف حیلہ ہے واسطے تسلی جاہلوں کے۔ پس ایسا شخص

ضرور لائق تعزیر کے ہے۔

فائدہ:

پس غیر مقلد ہونا بدوں انتقال کے بموجب نقولِ مندرجہ مضمون کے منع ہوا اور تعزیر لگانا غیر مقلدین پر اس زمانہ میں بموجب قول ابنِ ہمام کے بطریق اولیٰ جائز ہوا کیونکہ عمل کرنا ان لوگوں کا اوپر ان مسائل کے جو مذاہبِ اربعہ کے خلاف ہیں جیسے تراویح کا آٹھ پڑھنا اور تین طلاق دے کر بدوں حلالہ کرنے کے عورت کا نکاح شوہرِ اول سے کرادینا اور بلا عذر نماز کو جمع کرنا علیٰ ھذا القیاس شاہدِ عدل ہے اس امر پر کہ یہ لوگ ماصدق علیہ اس آیت کے ہیں:

﴿أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا﴾

[الفرقان: ٤٣]

یعنی آیا پس جس شخص نے پکڑا معبود اپنا خواہش اپنی کو آیا پس ہے تو اوپر اس کے وکیل؟

واللہ اعلم و علمہ اتم۔

(۴۰) مضمون ۴۵

"فقہ میں دلیل اپنی اور مخالف کی اکثر بیان کرتے ہیں اس لیے کہ جس کا مسئلہ مطابق دلیل کے ہو اُسے قبول کیجیے ورنہ اکیلا قول امام کا لکھنا کفایت کرتا۔"

اقول و باللہ التوفیق:

بیان کرنا دلیلِ مخالف کا واسطے عمل کے نہیں ورنہ ردِّ نصاریٰ اور ردِّ روافض وغیرہ میں دلائل مخالفین کے درج نہ کرتے بلکہ بیان مخالفین کا اس واسطے ہوتا ہے کہ تا ان کے رد سمجھ کر اپنے اعتقاد کو مضبوط کر لے۔ دیکھو علم عقائد میں دلائل حکماء کے جو اسلام سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے تھے متکلّمین نے محض واسطے رد کے درج کیے ہیں۔ غیر مقلدوں کا بمقتضیٰ اس

فہم اور اجتہاد کے معاذ اللہ یہودی اور نصرانی ہو جانا بعید نہیں۔

بریں عقل و ہمت بباید گریست

يضل به كثيرا ويهدي به كثيرا

(۴۱) مضمون صفحہ ۴۶

”ہدایہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ جس شخص نے روزہ توڑ دیا بموجب اس حدیث کے کہ روزہ دور ہو جاتا ہے غیبت کرنے اور سینگی لگانے سے اور وہ نہیں جانتا منسوخ اور مؤوّل کو تو کفارہ نہیں اس پر۔“

اقول باللہ التوفیق:

اس سے ثابت ہوا کہ جو جان بوجھ کر مؤوّل یا منسوخ پر عمل کرے اس کا عذر شرعًا قبول نہ ہوگا جیسا کہ تاویل حدیث جمع کرنے نماز بلا عذر کے جو صحیح مسلم میں موجود ہے، اس سے منع ہونا جمع کا ثابت ہوتا ہے۔ پس جمع کرنے والے بدوں تاویل کے گنہگار ہوئے۔

عن ابن عباس قال صليت مع النبى صلى الله عليه وآله وسلم ثمانيا جميعا وسبعا جميعا. قلت يا أبا الشعثاء: أظنه أخّر الظهر وعجّل العصر وأخّر المغرب وعجّل العشاء. قال: وأنا أظنّ ذلك.

”کہا ابن عباسؓ نے کہ نماز پڑھی میں نے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ رکعت اکٹھی اور سات اکٹھی۔ کہا میں نے اے ابا شعثاء! ظن کرتا ہوں میں کہ آخر وقت پڑھا ظہر کو اور اول وقت پڑھا عصر کو۔ کہا میرے گمان میں بھی یہی ہے۔“

روایت کیا اس کو مسلم نے اور حدیث طبرانی کی صاف دال ہے اس مضمون پر۔

أن النبی صلی الله علیه وآله وسلم كان يجمع بين المغرب والعشاء يؤخر هذه في آخر وقتها ويعجل هذه في أول وقتها.

"جمع کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب اور عشاء میں اسی طرح پر کہ دیر کر((کے)) پڑھتے تھے پہلے کو یعنی ادا کرتے آخر وقت میں اور شتابی ((جلدی)) پڑھتے تھے دوسری نماز کو یعنی اول وقت میں ادا کرتے۔"

روایت کیا اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں اور منع کیا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جمع کرنے سے۔

أنه كتب في الآفاق ينهاهم أن يجمعوا بين الصلاتين ويخبرهم أن الجمع بين الصلاتين في وقت واحد كبيرة من الكبائر.

"یعنی منع لکھ بھیجا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملکوں میں جمع کرنے دو نمازوں سے ایک وقت میں اور خبر دی ان کو کہ یہ گناہ کبیرہ ہے کبائر میں سے۔"

روایت کیا اس کو امام محمد نے موطا میں۔

كان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم إذا ارتحل قبل أن تزيغ الشمس أخّر الظهر إلى وقت العصر ثم نزل فيجمع بينهما. فإن زاغت الشمس قبل أن يرتحل صلى الظهر ثم ركب.

"تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کوچ کرتے قبل زوال کے تاخیر

کرتے ظہر کو طرف وقتِ عصر کے پھر اُتر کر جمع کرتے دونوں کو یعنی ظہر کو اخیر وقت میں ادا کر کے عصر کو اول وقت میں ادا کرتے اور اگر کوچ کرتے بعد زوال کے، فقط ظہر پڑھ کر سوار ہو جاتے یعنی عصر کو نہ پڑھتے۔" روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم اور نسائی اور ابوداؤد وغیرہ نے۔

یہ حدیث صاف دال ہے اوپر نہ جمع کرنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر میں۔

قال الله تعالى: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾ [النساء: ١٠٣]

یعنی تحقیق نماز ہے مومنوں پر فرض کی گئی وقتِ مقرر پر۔

قال الله تعالى: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ﴾ [البقرة: ٢٣٨]

محافظت کرو نمازوں پر یعنی وقت پر ادا کرو ہر نماز کو۔

اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو:

كيف أنت إذا كانت عليك أمراء يميتون الصلاة أو يؤخرون عن وقتها؟ قلت: فما تأمرني؟ قال: صلّ الصلاة لوقتها. الحديث

"کیا کرے گا تو جب کہ ہوں گے تجھ پر حاکم فوت کریں گے نماز کو یا پیچھے پڑھیں گے اس کے وقت سے؟ پس کہا میں نے پس کیا فرماتے ہو مجھ کو؟ فرمایا پڑھ نماز کو وقت پر۔" روایت کیا اس کو مسلم نے۔

قال ابن مسعود: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلّي الصلاة لوقتها إلا بجمع وعرفات.

"پڑھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کو وقت پر مگر مزدلفہ اور

عرفات میں۔“
یعنی بغیر حج کے جمع نہ کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازں کو۔

فائدہ:

پس سنّت کہنے والا جمع بلا عذر کو سخت گمراہ ہے۔ لکونه مخالفًا للكتاب والسنة وأقوال الصحابة ولم يرو حديث صحيح يدل على الجمع الحقيقي ولذا قال أبو داود: وليس في تقديم الوقت حديث قائم. والله أعلم وعلمه أتم

(۴۲) مضمون صفحہ ۴۶

آج ہندوستان کا دو اعتبار ہے کہ منکران کے علم اور فضل کا شمار اہلِ علم سے باہر ہے۔

اقول باللہ التوفیق:

فضیلتِ مذکورہ کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں بلکہ بعض احادیث میں اشارہ ہے کہ فتنہ مشرق سے نکلے گا اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے: " رأس الكفر نحو المشرق " یعنی سر کفر کا طرف مشرق کے ہے اور یہ حدیث مشکوٰۃ کے ۵۷۴ صفحہ میں ہے۔ چونکہ ہندوستان حرمین سے طرف مشرق کے ہیں اور اس زمانہ میں حکومت اہلِ اسلام کی بھی نہیں ہے اور چار ناچار معاملات میں بجائے آیت اور حدیث کے قوانین تعزیراتِ ہندو غیرہ سے تمسک پکڑا جاتا ہے پس جو شخص بلحاظ ان امور کے منکر اُن کے فضل کا ہو اُس کو شمار اہلِ علم سے خارج کرنا اور منکر فضیلت اہلِ حرمین کو جو تمسک ان کا ساتھ آیت اور حدیث کے ہیں اور فضیلت ان کی بھی ادلّہ شریعہ سے ثابت ہے، اکابرین میں شمار کرنا ایمان داری سے بعید ہے بلکہ ہنود کا بھی یہ اعتقاد ہے کہ اہلِ حرمین شریفین باقی مسلمانون پر فضیلت رکھتے ہیں۔ پس افسوس صد افسوس ایسی محمدیت پر۔

اور ہندوستان کے اعتبار سے بھی تقلید مذہب واحد کی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ہزارہا علما ہندوستان کے مقلد ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يد الله فوق الجماعة

اور بعضے عالموں کا مخالف ہوکر غیر مقلد ہونا گمراہی پر دلالت کرتا ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه.

جو جدا ہوا جماعت سے ایک بالشت پس تحقیق نکل گئی رسّی اسلام کی گردن اس کی سے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۴۳) مضمون صفحہ ۴۷

اور مولانا اسحاق صاحب رفع سبابہ ہمیشہ کرتے تھے اور حالانکہ آج تک کوئی روایت قوی یا ضعیف امام اعظم اور شاگردوں ان کے سے منقول نہیں۔

اقول وباللہ التوفیق:

یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ لکھا ہے امام محمد رحمہ اللہ نے موطا کے ۱۳ صفحہ میں:

كان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم إذا جلس في الصلاة وضع كفه اليمنى على فخذه اليمنى وقبض أصابعه كلها وأشار بإصبعه التي تلي الإبهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى. قال محمد: وبصنيع رسول الله صلى الله عليه وسلم نأخذ وهو قول أبي حنيفة.

"یعنی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے نماز میں رکھتے ہتھیلی داہنی

اپنی اوپر ران دہنی کے اور قبض کرتے انگلیاں ساری اور اشارہ کرتے ساتھ انگلی کے جو ملی ہوئی ہے انگوٹھے سے اور رکھتے ہتھیلی بائیں اوپر ران بائیں کے۔ کہا امام محمد نے ساتھ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یعنی اشارہ کرنے کے عمل کرتے ہیں ہم اور یہی ہے قول امام اعظم رحمہ اللہ کا۔"

اور اسی طرح امام ابویوسف سے روایت ہے بیچ کتاب "امالی" کے:

قال القاري بعد ذكر الأخبار الدالة على الإشارة لم يعلم من الصحابة ولا من علماء السلف خلاف في هذه المسئلة بل قال به إمامنا الأعظم وصاحباه فعد الكيداني من المحرمات خطأ عظيم ولولا حسن الظن به لكان كفره صحيحا وارتداده صريحا. انتهي ملخصًا

یعنی متفق علیہ ہے یہ مسئلہ صحابہ اور علماء مقدمین میں امام اعظم وغیرہ کے نزدیک اور شمار کرنا اشارہ کو کیدانی میں محرمات سے خطاء عظیم ہے اگر حسن ظن نہ ہوتا ہمارا اس پر تو کافر اور مرتد کہا جاتا اس کو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۴۴) مضمون صفحہ ۴۷

جو شخص عربی سمجھ سکتا ہے خود باعانتِ شروح قرآن اور حدیث اور اجماع دیکھ کر اس پر عمل کرے۔

اقول وباللہ التوفیق:

جب قرآن کو تم سہل اور آسان جانتے ہو جیسا کہ بیان کیا تم نے مضمون ۶ میں، پس شروح اور تفاسیر کس امر کو معین ہوں گی؟ بلکہ اعانت غیر مقلدی کے استیصال میں کریں گی کیونکہ مصنف تفاسیر اور شروحِ معتبرہ کے سب مقلد ہیں۔ جو آیت اور حدیث بظاہر مخالف

معلوم ہوتی ہے تطبیق دے کر موافق مذہب اپنے کے بیان کرتے ہیں اور لکھا ہے تفسیر حسینی میں بیچ تفسیر اس آیت کے: ﴿يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ﴾ [الإسراء: ۷۱] کہ پکارے جاویں گے اہلِ سنّت جماعت ساتھ ان ناموں کے یا حنفی یا مالکی یا شافعی یا حنبلی۔ پس اگر یہ تفسیر آیتِ مذکورہ کی منظور ہے تو ایمان لاؤ تقلید پر ورنہ ﴿نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾ [النساء: ۱۵۰] کے مضمون میں داخل ہونا پڑے گا۔ أعاذنا الله منه بيمينه وكرمه۔

(۴۵) مضمون صفحہ ۴۸

"ایک فرقہ رُفّاض ((رافضیوں)) کا یہ اعتقاد ہے کہ تمسک کرنا حدیث سے غیر مجتہد کو درست نہیں۔"

اقول وباللہ التوفیق:

اگر مراد قائل کی یہ ہے کہ بے علم کا تمسک پکڑنا بعض اوقات میں پہنچاتا ہے گمراہی کو تو حق ہے۔ جیسا کہ مولوی نذیر حسین صاحب نے آیت ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ [الرحمن: ۶۰] کے ساتھ تمسک پکڑ کر سود کو جائز کر دیا۔

قال في شرح الدرر والغرر: من لم يبلغ درجة الاجتهاد يلزمه تقليد مجتهد يظنه أصوب رأيا عالما كان أو عاميا، فانتقاله إلى مذهب آخر يشبه الإلحاد وهو مبتدع ضال؛ إذ المقلد يكفيه أقوال مجتهده أدلة للأعمال ولا يحتاج إلى النصوص لعدم كفاية اقتداره بأسرار المعارضات ودقائقها من النسخ والتقييد وغيرها فله العمل بقول

المجتهد، فإذا ترك مذهبه عذر على الإطلاق. انتهى ملخصًا

یعنی غیر مجتہد عالم ہو یا جاہل ضروری ہے اس کو تقلید مجتہد کی کہ گمان کرتا ہے اس کو بہت ٹھیک چلنے والا دین میں۔ پھر نقل کرنا طرف اور مذہب کے بدعت اور گمراہی ہے الحاد جیسی۔ کیونکہ مقلد کو کفایت ہیں اقوال امام کے واسطے عمل کرنے کے اور نہیں حاجت اس کو طرف آیت اور حدیث کے کیونکہ نہیں معلوم اس کو طریقہ عمل کرنے کا اوپر آیات اور احادیث کے جو مخالف ہیں آپس میں۔ پس چاہیے اس کو عمل کرنا ساتھ قولِ امام کے۔

پس اگر ترک کرے مذہب اپنے کو تعزیر لگائی جاوے اس پر کسی مذہب کا ہو اور کہا ہے بعض محققین نے کہ:

"ایمان آیت و حدیث باید داشت اما عمل بر فقہ ست زیرا کہ ہر ضال و مضل را تمسک بآیت ست۔"

یعنی ایمان آیات پر اگرچہ لائق عمل کے نہ ہوں جیسے سورہ قل یا أیها الکافرون اور احادیثِ نبویہ پر اگرچہ منسوخ ہوں جیسے حدیثِ متعہ کی ضروریات سے ہے مگر عمل کرنا عوام کو اوپر کتب فقہ کے چاہیے کیونکہ اگر تمسک پکڑنا آیت اور حدیث کا ہر شخص کے حق میں بہتر ہوتا تو بہتّر فرقے آیت اور حدیث سے تمسک پکڑ کر گمراہ کیوں ہوتے جیسا کہ بعضے آیت: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى﴾ [الأنفال: ۱۷] سے تمسک پکڑ کر ہر چیز کو خدا کہنے لگے اور بعضی آیت: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ [طه: ۵] اور آیت ﴿يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ [الفتح: ۱۰] سے تمسک پکڑ کر خدا تعالیٰ کو ذی جسم سمجھ کر گمراہ ہوئے۔ اسی طرح باقی فرقوں کا حال ہے۔

اور اعتقاد کرنا بعض رُفّاض کا کہ ہر شخص کو تمسک پکڑنا حدیث سے درست نہیں گویا

تائب ہونا ہے اس کا بنیادِ رفض کی سے کیونکہ بہتّر فرقوں کی بنیاد اسی پر ہے، کما مرّ غیر مرّۃ۔
اور مذہب پر چلنے کے یہ معنی ہیں کہ جیسا کلام اللہ اور احادیث کو امام نے سمجھ کر عمل کیا ہے ہم مقلدوں کو بھی بموجب سمجھ امام کے عمل کرنا چاہیے کیونکہ جو علم اور سمجھ اللہ جلّ شانہٗ نے سلف کو عطا کی تھی ہم کو اس کا عشرِ عشیر یہی نہیں ہے۔ پس آیات اور احادیث کو مخالف امام کے سمجھ کر اعتراض کرنا ثمرہ جہالت کا ہے جیسا کہ نقل کیا گیا ہے عمر بن عبد العزیز سے ابوداؤد میں:

فارض لنفسك ما رضي به القوم لأنفسهم فإنهم على علم وقفوا وببصرنا قد كفوا ولهم على كشف الأمور كانوا أقوى وبفضل ما كانوا فيه أولى فإن كان الهدى ما أنتم عليه فقد سبقتموهم إليه مع أنهم هم السابقون. ولئن قلتم لم أنزل الله آية كذا ولم قال كذا يعني اعتراضا على السلف فنقول لقد قرأوا منه ما قرأتم وعلموا من تأويله ما جهلتم. انتهى ملخصا

یعنی خوشنود ہو جس چیز پر خوشنود ہوئے ہیں مقدمین۔ یعنی تقلید دین میں مقدمین کی کرنی چاہیے کیونکہ وہ صاحب علم اور بینائیِ کامل کے تھے اور قدرت زیادہ رکھتے تھے اوپر کشفِ امور کے اور بہتر تھے متاخرین سے۔ اگر بالفرض ہدایت کی راہ تمھاری ہوتی تو تم بہتر ہوتے مقدمین سے اور حالانکہ فضل مقدمین کو ہے اتفاقاً۔
اور اگر کہو کیوں نازل کیا اللہ جلّ جلالہٗ نے اس آیت کو ایسا؟ اور کیوں فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایسا؟ یعنی بطور اعتراض کے بیان کرتے ہیں کہ فلانی آیت اور حدیث مخالف سلف ہے پس کس طرح حق پر سمجھیں ہم ان کو؟ پس جواب دیتے ہیں ہم کہ تحقیق پڑھا مقدمین نے

ان آیات کو جو پڑھتے ہو تم اور عالم رہے وہ تاویل ان آیات کی سے اور جاہل ہو تم۔ یعنی اگرچہ آیات اور احادیث وہی ہیں جو مقدمین کے وقت میں تھیں لیکن جو سمجھ اللہ تعالیٰ نے مقدمین کو عطا کی تھی اس زمانہ میں وہ مفقود ہیں۔ اب حضرات غیر مقلدین کی خدمت میں عرض ہے کہ رو بگریبان کر کے خیال کریں کہ متبع قرآن اور حدیث کے آپ ہیں یا ہم؟ واللہ اعلم و علمہ اتم۔

(۴۶) مضمون صفحہ ۴۸

"امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں عمل اوپر حدیث کے مگر جب کسی حدیث جاننے والے سے یا کسی کتابِ مشہورہ مثل بخاری اور مسلم اور مشکوٰۃ میں دیکھے تو عامی کو عمل کرنے میں کچھ اندیشہ نہیں۔"

اقول و باللہ التوفیق:

یہ مضمون ہماری تحقیق کو مؤیّد ہے کیونکہ یہ صاف دال ہے اس بات پر کہ عوام کو عمل کرنا حدیث پر بدوں شرطِ مذکورہ کے درست نہیں اور لحاظ شرط کا بدوں تقلید کے محال ہے اور مراد کتبِ مشہورہ سے بخاری اور مسلم اور مشکوٰۃ کا لینا خالی جہالت سے نہیں کیونکہ یہ کتابیں سالہا سال بعد انتقال کرنے امام ابو یوسف کے تصنیف ہوئی ہیں۔ علاوہ اس کے بخاری میں بعضی حدیث بالکل لائق عمل کرنے نہیں ہیں کما مرّ غیر مرّۃ

اور بظاہر تصانیف امام محمد اور امام ابو یوسف وغیرہ کا مراد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ نقل کیا ہے مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے نافع کبیر میں کہ تصنیف کیں امام محمد نے نو سو نوے کتاب دینیات میں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء. والله أعلم وعلمه أتم

(۴۷) مضمون صفحہ ۴۸

"پس معلوم ہوا کہ منع کرنے والے عمل کے حدیث پر حقیقت میں رافضی ہیں

چھپے ہوئے۔"

اقول وباللہ التوفیق:

جیسا کہ موافق ہونا بعض کفار کا وحدانیت میں اہلِ اسلام کو مضر نہیں بلکہ واسطے الزام ان مشرکین کے جو مدّعی اسلام کے ہیں دلیلِ کامل ہے۔ اسی قبیل سے ہے موافق ہونا بعض رُفّاض کا بیچ منع کرنے عوام کو تمسکِ حدیث سے کیونکہ یہ مسئلہ حق ہے ورنہ حضرت عمرؓ ابوہریرہؓ کو فتویٰ دینے سے کیوں منع کرتے جیسا کہ گزر چکا بیان اس کا پیچھے۔

لیکن غیر مقلدین کے رافضی ہونے پر دلالت کرتا ہے مخالف ہونا غیر مقلدوں کا حضرت عمرؓ کے مسئلہ مذکورہ اور جمع نماز اور تراویح وغیرہ میں اور موافق ہونا اکثر رُفّاض کے مسئلہ مذکورہ میں جیسا کہ دلالت کرتا ہے اس پر مضمون پینتالیسواں (۴۵)۔ کیونکہ حاصل اس کا یہ ہے کہ ایک فرقہ رفّاض کے نزدیک تمسکِ مذکور درست نہیں اور باقی سب فرقے رُفاض کے تمسک مذکور کو مثل غیر مقلدین کے درست جانتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۴۸) مضمون صفحہ ۴۸

"سلف سے آج تک کسی نے تقلید واجب نہیں کہی۔ اگر نہ لا سکیں دلیل ظاہر قرآن اور حدیث اور اجماع سے تو بے شک جھوٹے ہیں۔"

اقول وباللہ التوفیق:

خود نقل کر چکے ہو تم سلف سے بیچ مضمون (۳۹) کے لازم پکڑنا مذہب معین کو اور عبارت آپ کی یہ ہے: "عبدالعزیز مقلاص نے لازم پکڑا مذہب امام شافعی کا جب آئے امام شافعی مصر میں"۔ یہ مثل برحق ہے کہ:

دروغ گو را حافظہ نباشد

اور تقلید کو واجب لکھا ہے شاہ ولی اللہ اور امام ربانی اور امام شعرانی اور ملا علی قاری وغیرہ نے جیسا نقل کر چکے ہیں ہم عبارتیں ان کی پیچھے اور نقل کر چکے ہیں قرآن اور حدیث

اور اجماع سے دلائل واسطے وجوبِ تقلیدِ معیّن کے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ کسی آیت یا حدیث میں یوں نہیں آیا کہ امام اعظم کی تقلید کرو۔ پس کس طرح تقلید امام کی آیت اور حدیث سے ثابت ہو سکے گی؟

توجواب اس کا یہ ہے جیسا کہ نماز کے واسطے کوئی آیت یا حدیث ایسی وارد نہیں ہوئی کہ جس میں سب اشخاص کو نام بنام حکم نماز کا دیا ہو۔ حالانکہ نماز فرض ہے ہر مسلمان پر۔ پس جب کہ ثبوت فرائض کا عمومات سے ہوا تو وجوب کا عمومات سے ثابت کرنا بطریق اولیٰ درست ہوا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۴۹) مضمون صفحہ ۴۹

اور جو لوگ علم ہوتے اتباع کرتے ہیں ظن کا یعنی آیت محکم:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ [البقرة: ۲۳۳]

پر عمل نہیں کرتے بلکہ عمل کرتے ہیں اول آیتوں پر وہ داخل ہیں اس آیت میں:

﴿مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾ [الزخرف: ۲۰] ﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ [الأنعام: ۱۱۶]

یعنی نہیں ان کو علم اس کا۔ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی اور نہیں ہے مگر اٹکل کرنے والے۔

اقول وباللہ التوفیق:

یہ خاص طعن ہے اوپر امام اعظم کے یعنی آیتِ مذکورہ صریح دال ہے اوپر اس بات کے کہ مدّت رضاعت کی دو برس سے زائد نہیں اور امام اعظم نے اس آیتِ صریح کو ترک کرکے بموجب دوسری آیت مؤوّل یعنی: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ [الأحقاف: ۱۵] کے دو برس اور چھ مہینے کی مدّت قرار دی۔

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ آیت "حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ" سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بعد دو برس کے رضاعت درست نہیں جیسا کہ آگے آتی ہے تحقیق اس کی اور امام اعظم دو برس اور چھ مہینے پر اس آیت کو دلیل پکڑتے ہیں: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ [الأحقاف: ١٥] یعنی مدّت حمل اور دودھ کی تیس مہینے ہیں۔ یعنی تیس تیس مہینے ہر ایک کی مدّت ہے۔ مثلاً اگر کہا کسی شخص نے کہ میں دس روپیہ اور چار اشرفی بعد دو مہینے کے ادا کروں گا جیسا کہ مدّت ہونا دو مہینے کا ہر ایک دس روپیہ اور چار اشرفی کے واسطے ظاہر ہے اسی طرح یہ تیس مہینے ہر ایک کے واسطے مدّت مقرر ہوئی اور آیت ﴿وَالْوَالِدَاتُ... الآية﴾ [البقرة: ٢٣٣] مخالف نہیں اس مضمون کے کیونکہ ذکر حولین کا اس میں صرف واسطے استحقاقِ مزدوری کے ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے اپنی عورت کو طلاق دے دی اور اس کی گود میں ایک لڑکا شیر خوار ہے اگر اس شخص نے اسی عورت کو بطور اجرت کے واسطے دودھ پلانے کے مقرر کیا تو اس عورت کو دو برس تک کی مزدوری ضرور ملنی چاہیے اور اگر زیادہ دو برس سے دودھ پلاوے گی تو مستحق مزدوری کی نہ ہو گی اور اس آیت میں یہ بیان نہیں کہ دو برس کے بعد رضاعت حرام ہے کیونکہ آخر اس آیت کا صاف دلالت کرتا ہے اوپر درست ہونے رضاعت کے بعد دو برس کے اور وہ یہ ہے:

﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ [البقرة: ٢٣٣]

یعنی بعد دو برس کے اگر چاہیں ماں باپ دودھ ابھی چھڑانا خوشی اور مشورہ اپنے سے پس نہیں گناہ ان کو۔

پس حمل امام اعظم کا احتیاط پر ہے کیونکہ موافق ہے دونوں آیتوں کے۔ پس افسوس صد افسوس ایسے علم پر کہ احتیاطِ امام کو بموجب اتباع ظنِ بد اپنے کے داخل کیا نیچے آیت

﴿مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾ [الزخرف: ٢٠] کے جو بیچ حق کفار کے وارد ہے۔ پس ورود اس آیت کا بیچ حق ایسے مرتدوں کے جو بموجب اتباعِ ظن اپنے کے اماموں کو کفار سے نسبت دیتے ہیں باعتبار معنٰی کے پورا پورا پایا جاتا ہے:

قال الله تعالى: ﴿وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ [الأنعام: ١١٦]

''اور اگر کہا مانے گا تو اکثر ان لوگوں کا کہ بیچ زمین کے ہیں گمراہ کردیں گے تجھ کو راہ اللہ کی سے نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی اور نہیں وہ مگر اٹکل کرتے۔''

فائدہ:

پس جو شخص ایسے مرتدوں کی جو اپنے گمان اور اٹکل سے اماموں کو کفر سے نسبت دیتے ہیں پیروی کرے گا ضرور بے دین ہووے گا۔ اور نزدیک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واسطے رضاعت کی کوئی حد مقرر نہیں۔ یعنی اگر کوئی عورت کسی اجنبی شخص کو جو بلوغت کو پہنچا ہوا ہے دودھ پلاوے تو احکامِ رضاعت نافذ ہوں گے نزدیک عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جیسا کہ بیان کیا ہے امام محمد نے بیچ حدیث طویل کے:

فَلَمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِي زَيْدٍ مَا أَنْزَلَ: {أُدْعُوهُمْ لآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ} [الأحزاب: ٥] رُدَّ كُلُّ أَحَدٍ تُبُنِّيَ إِلَى أَبِيهِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ يُعْلَمُ أَبُوهُ رُدَّ إِلَى مَوَالِيهِ، فَجَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلٍ امْرَأَةُ أَبِي حُذَيْفَةَ وَهِيَ مِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فِيمَا بَلَغَنَا، فَقَالَتْ: كُنَّا نُرَى سَالِمًا وَلَدًا، وَكَانَ يَدْخُلُ عَلَيَّ وَأَنَا فَضْلٌ وَلَيْسَ لَنَا إِلا

بَيْتٌ وَاحِدٌ، فَمَا تَرَى فِي شَأْنِهِ؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فِيمَا بَلَغَنَا: «أَرْضِعِيهِ خَمْسَ رَضَعَاتٍ، فَيَحْرُمَ بِلَبَنِكَ، أو بِلَبَنِهَا» ، وَكَانَتْ تَرَاهُ ابْنًا مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَأَخَذَتْ بِذَلِكَ عَائِشَةُ فِيمَنْ تُحِبُّ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهَا مِنَ الرِّجَالِ، فَكَانَتْ تَأْمُرُ أُمَّ كُلْثُومٍ، وَبَنَاتِ أَخِيهَا يُرْضِعْنَ مَنْ أَحْبَبْنَ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهَا، وَأَبَى سَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهِمْ بِتِلْكَ الرَّضَاعَةِ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ، وَقُلْنَ لِعَائِشَةَ: وَاللَّهِ مَا نَرَى الَّذِي أَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم سَهْلَةَ بِنْتَ سُهَيْلٍ إِلا رُخْصَةً لَهَا فِي رَضَاعَةِ سَالِمٍ وَحْدَهُ.

"یعنی جب آیت نازل ہوئی بیچ حق زید کے جو متبنّٰی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ بلاؤ تم ان کو واسطے باپوں ان کے یعنی حقیقی باپ کا بیٹا کہو، رد کیا ہر شخص نے متبنّٰی اپنے کو طرف باپ اس کے، پھر آئی سہلہ بیٹی سہیل کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے، پس کہا اس نے کہ تھے ہم جانتے سالم کو بیٹا اور آتا تھا گھر میں اور حالانکہ میں برہنہ سر ہوتی اور نہیں ہے واسطے ہمارے مگر گھر ایک، پس کیا حکم دیتے ہو آپ سالم کے معاملہ میں؟

پس فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ دے دے تو سالم کو پانچ دفعہ، پس حرام ہو جائے گی تو بسبب دودھ کے۔ پس عمل کرتی تھیں حضرت عائشہ صدیقہؓ اسی حدیث پر بیچ حق اس شخص کے جو خوش آتا حضرت عائشہؓ کو بلانا اس کا روبرو اپنے۔ پس حکم دے دیا کرتی تھی حضرت عائشہؓ ام کلثومؓ اور

بھتیجیاں اپنی کو اس بات کا کہ دودھ پلادویں اس شخص کو کہ خوشنود ہوں جس کے داخل ہونے سے اوپر حضرت عائشہؓ کے اور انکار کرتی تھیں باقی بیویاں آنحضرت ﷺ کی ایسی رضاعت سے اور کہتی تھیں عائشہ صدیقہؓ کو کہ قسم خدا کی کہ نہیں حکم دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہلہ کو ہماری دانست میں مگر رخصت کا بیچ حق سالم اکیلے کے۔" روایت کیا اس کو امام محمدؒ نے موطا میں۔

پس جب امام صاحب کو بسبب چھ مہینوں کے مورد آیاتِ کفار کا بنایا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جو قائل تمام عمر کی ہیں کیا اعتقاد ہوگا؟ أعاذنا الله من هذا الاعتقاد وسوء الارتداد بفضله العميم ولطفه الكريم۔

(۵۰) مضمون صفحہ ۴۹

"مثال غیر مقلدین کی ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے لڑکوں کو ہمیشہ کہتا رہا کہ بیماری کی حالت میں ان حکیم کے کہنے کے موجب پرہیز کرنا ضرور ہے لیکن آپ بعض اوقات میں بخار کی حالت میں گوشت کسی مصلحت کے واسطے یا بھول کے سبب کھلاتا رہا۔ پس جو شخص سعادت مند ہے بیماری کی حالت میں بموجب کہنے طبیب کے گوشت سے پرہیز کرے گا ورنہ گوشت کھا کر موافق خواہش اپنی کے نافرمان باپ اور طبیب کا ہو کر خسر الدنیا والآخرۃ ہوگا۔"

اقول و باللہ التوفیق:

مثال بیمار سعادت مند کی مطابق حال مقلدین کے ہے یعنی جیسے بیمار سعادت مند حال اپنے کو اوپر حالتِ صحت کے کھانے پینے میں قیاس نہیں کرتا اسی طرح مقلد ہیں۔ اگر زمانۂ فساد کو جو صدہا امراض سے مملو ((بھرا ہوا)) ہے زمانۂ صلاح یعنی قرونِ ثلاثہ پر قیاس کر کے تقلید کو واجب نہ جانتے تو مثل باقی بہتّر فرقوں کے گمراہ ہو جاتے جیسا کہ استعمال ادویہ مجربہ کا بدپرہیز کو نورانیت صحت کی نہیں بخشتا اسی طرح غیر مقلدین کو عمل آیات اور احادیث پر

نورانیت ایمان کی نہیں بخشتا مثل باقی فرقہ ہائے ضالہ اور باطلہ کے۔ واللہ أعلم وعلمه أتم.

قد تم الرد إلى هنا للكتاب ولنذكر في الخاتمة ما بقي

من المسائل التي لم تذكر بعد.

مسئلہ ایمان

عوام اہلِ اسلام کا مشابہ ہونا ساتھ ایمانِ خواص کے باعتبار بعض صفات کے قرآن سے ثابت ہے۔ قال اللہ تعالی:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ﴾ [البقرة: ١٣]

یعنی جب کہا جاتا ہے واسطے ان کے ایمان لاؤ جیسا ایمان لائے ہیں لوگ یعنی حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رضی اللہ عنہم، کہا انھوں نے کیا ایمان لاویں ہم جیسا ایمان لائے ہیں بے وقوف؟

قال في البيضاوى: أوللعهد والمراد به الرسول ومن معه

یعنی تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ بموجب ایک تاویل کے مراد "آمن الناس " سے پیغمبر اور اصحاب ہیں۔

اور تفسیر عزیزی میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے عبداللہ بن عباسؓ سے یوں نقل کیا ہے:

كما آمن أبو بكر وعمر عثمان وعلى.

یعنی ایمان لاؤ جیسا کہ ایمان لائے ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم۔

فائدہ:

جبکہ ثابت ہوئی مشابہت ایمان اہلِ اسلام کی آیتِ مذکورہ سے پس منکر اس کا ضرور گمراہ ہوگا بلکہ مومن بہ میں سب خواص اور عوام برابر ہے یعنی جیسا اولیاء اللہ کو سب پیغمبروں اور کتابوں وغیرہ پر ایمان لانا ضرور ہے اسی طرح عوام کو ان سب چیز پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ اسی واسطے فرمایا خدا تعالیٰ نے:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (١٣٦) فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾[البقرة: ١٣٦-١٣٧]

"یعنی کہوایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور جو کچھ اتارے گئے طرف ہمارے اور جو کچھ اتارے گئے طرف ابراہیم کے اور اسماعیل کے اور اسحاق اور یعقوب کے اور اولاد اس کی کے اور جو کچھ دیے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور جو کچھ دیے گئے پیغمبروں کو پروردگار اپنے سے، نہیں جدائی ڈالتے درمیان کسی کے ان میں سے اور ہم واسطے اس کے مطیع ہیں۔ پس اگر ایمان لائے اہلِ کتاب مثل ایمان ایمان تمھارے کے ساتھ اللہ کے پس تحقیق راہ پا لیا اور اگر پھر جاویں پس بے شک ہیں وہ بیچ خلاف کے۔"

فائدہ:

لیکن برابر سمجھنا ایمان عوام الناس اور پیغمبروں کا من کل الوجوہ گمراہی ہے جیسا کہ روایت کیا ہے ملا علی قاری نے امام اعظم سے بیچ شرح اکبر کے:

وروي عن أبي حنيفة رحمه الله: إيماني كإيمان جبريل ولا أقول مثل إيمان جبريل لأن المثلية تقتضى المساوت في كل الصفات والتشبيه لا تقتضيه بل يكفي لإطلاقة المساوات في بعضه فلا أحد يساوي بين إيمان آحاد الناس وإيمان الملائكة والأنبياء عليهم السلام من كل وجه. انتهى

کہا امام اعظم نے ایمان میرا مشابہ ہے ایمان جبرئیل کے اور نہیں کہتا میں ایمان میرا مثل ایمان جبرئیل کے ہے کیونکہ مثلیت مقتضی ہے برابری کو ہر صفت میں اور مشابہت کو کافی ہے مساوی ہونا بعض صفات میں یعنی زید کالاسد اور زید مثل الاسد کہنا ہرگز درست نہیں، اسی سبب سے نہیں برابر کسی کے نزدیک ایمان عوام الناس اور فرشتوں اور پیغمبروں کا ہر وجہ سے۔

فإذا سمعت هذا فلا أظنك شاكا أن ما نسب الجاهلون إلى الإمام فرية بلا مرية. والله أعلم وعلمه أتم

مسئلہ پانی کا

قال انس رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ في الفارة إذا ماتت في البير وأخرجت ساعته ينزح عشرون دلوا.

کہا انس رضی اللہ عنہ نے بیچ چوہے کے جب مرجاوے کنویں میں اور نکالا جاوے اور اسی وقت، کھینچے جاویں بیس بوکے ((ڈول))۔

وقال أبو سعيد الخدری رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ إذا ماتت الدجاجة في البير ينزح أربعون دلوا.

یعنی کہا ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مرجاوے مرغی کنویں میں نکالے جاویں چالیس بوکے۔

روایت کیا ہے ان دونوں حدیثوں کو امام طحاوی نے۔

قال الشعبي فی البیت والسنور ونحوهما يقع فی البير: ينزح أربعون دلوا.

کہا شعبی نے پرندہ اور بلی اور مانند ان دونوں کے کنوئیں میں گرنے سے نکالے جاویں چالیس بوکے۔

روایت کیا اس کو طحاوی نے معانی آثار میں۔

عن عطاء أن حبشيا وقع في زمزم فمات. قال: فأمر ابن الزبير أن ينزف ماء زمزم. قال: فجعل الماء لا ينقطع. قال: فنظر فإذا هو عين تنبع من قبل الحجر الأسود. قال

ابن الزبير: حسبكم.

یعنی تحقیق حبشی زمزم کے کنوئیں میں گر کر مر گیا۔ پس حکم دیا ابن زبیرؓ نے نکالا جاوے پانی زمزم کا پس جب نہ ٹوٹا ((رُکا)) پانی دیکھا ابن زبیرؓ نے ناگہاں ایک چشمہ جاری ہے زمزم میں حجرِ اسود کی طرف سے۔ پس کہا ابن زبیرؓ نے کفایت کرتا ہے تم کو۔ یعنی اب اور پانی نکالنے کی حاجت نہیں۔

وعن ابن عباس أن زنجيا وقع في زمزم فمات، قال: فأنزل إليه رجل، فأخرجه ثم قال: انزحوا ما فيها من ماء زمزم، ثم قال للذي في البير: ضع دلوك من قبل العين التي تلي البيت أو الركن فإنها من عيون الجنة.

یعنی تحقیق گر کر مر گیا ایک حبشی زمزم میں، پس اتارا گیا ایک آدمی بموجب حکم ابن عباسؓ کے، پس نکالا اس مردہ کو، پھر حکم دیا ابن عباسؓ نے نکال دو پانی زمزم کا۔ پھر کہا ابن عباسؓ نے اس کو جو کنوئیں میں تھا، رکھ ڈول اپنا طرف چشمہ کے کہ نزدیک خانہ کعبہ کے ہے یا حجرِ اسود کے۔

روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو ابو بکر بن ابی شیبہ نے بیچ کتاب مصنف کے اور ابو بکر استاد ہے امام بخاری اور مسلم اور باقی صحاح ستہ والوں کا۔

وروى أن زنجيا وقع في بير زمزم فمات فيها، فأمر ابن عباس وابن الزبير أن اخرج وأمر أن ينزح. قال: غلبتهم عين جاءت من الركن، فأمرا بها فدست بالقباطي والمطارف حتى نزحوها وكان ذلك الإفتاء بمحضر الصحابة ولم ينكر منهم أحد رضي الله عنهم.

"یعنی حکم دیا ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ نے نکالنے پانی کا بسبب گرنے حبشی کے، پس نکالا گیا پانی اور تھا یہ فتویٰ دینا ابن عباس اور ابن زبیرؓ کا روبرو صحابہ کے اور نہ انکار کیا کسی صحابی نے۔" روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

اور یہ سب آثار بسبب مخالف ہونے قیاس کے بیچ حکم حدیث مرفوع کے ہیں۔ کما مر غیر مرۃ۔ اور نہیں مخالف ان احادیث کی حدیث بیر بضاعۃ کی کیونکہ وہ پانی جاری تھا اور وہ حدیث یہ ہے:

عن أبي سعيد الخدري قال: قيل يا رسول الله! أنتوضاء من بير بضاعة؟ وهى بير يلقى فيه الحيض ولحوم الكلاب والنتن. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الماء طهور لا ينجسه شيء. رواه أحمد والترمذي

قال العلامةالحلبي: ظاهره غير مراد إجماعا؛ لأنه إذا تغير بالنجاسة يتنجس بالإجماع. فعلم أن المراد به هو بير بضاعة طريقا إلى البساتين. والصحيح في الواقدي التوثيق كما حقق أبو الفتح في أول كتاب المغازي والسير وذكر الأجوبة عما قيل فيه. انتهى ملخصا

اور روایت ہے ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ کہا گیا یا رسول اللہ! آیا وضو کریں ہم بیر بضاعۃ سے اور حالانکہ وہ ایک کنواں ہے، ڈالے جاتے ہیں اس میں حیض کے اور گوشت کتوں کا اور گندگی۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تحقیق وہ پانی پاک ہے، نہیں ناپاک کرتی اس کو کوئی شے۔

کہا علامہ حلبی نے کبیری میں ظاہر اس حدیث کا مراد نہیں اتفاقاً، کیونکہ ظاہر اس

حدیث کا دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ اگر مثلاً دوسیر پانی میں آدھ سیر پیشاب ڈالا جاوے تو بھی پانی ناپاک نہ ہو اور حالانکہ ناپاک ہے پانی اجماعًا۔ بس جانا گیا کہ نہیں مراد اس سے مگر پانی بیر بضاعۃ کا واسطے وافر ہونے اس پانی کے اور واسطے جاری ہونے اس پانی کے جیساکہ روایت کیا طحاوی نے ساتھ سند کے واقدی سے کہ تھا بیر بضاعہ راستہ پانی طرف باغوں کے۔

اور واقدی کے معتبر ہونے میں اگرچہ بعض محدثین کو کلام ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ واقدی بڑا معتبر تھا جیساکہ ثابت کیا ہے ابوالفتح نے بیچ مقدمہ کتاب المغازی کے اور جواب دیے ہیں ان باتوں کے جو واقدی کے ضعیف ہونے پر بعضے عالموں سے منقول ہیں۔

وإنما ترك الإمام حديث القلتين لكونه ضعيفا كما ضعفه غير أحد من المحدثين قال على المديني حديث القلتين غير ثابت وهو من أئمة أهل الحديث وأستاد البخاري. قال البخاري: ما استصغرت نفسي إلا عنده في التقريب وقال الحلبي بما حاصله: إنه ضعيف بالاضطراب متنا لأنه روي تجارة إذا بلغ الماء قلتين أو ثلاثا وأخرى اذا بلغ الماء أربعين قلة فإنه لا يحمل الخبث ولكونه مخالفا للآثار المذكورة الدلالة بعضها على إجماع الصحابة ولحديث الشيخين قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يبولن أحدكم فى الماء الدائم وهو جنب.

یعنی بے شک ترک کیا امام نے حدیثِ قلتین کو واسطے ضعیف ہونے اس کے نزدیک اکثر محدثین کے۔ کہا علی بن مدینی یہ حدیث غیر ثابت ہے اور یہ شخص امام اہلِ حدیث کا اور

استاد ہے بخاری کا۔ کہا امام بخاری نے کہ نہیں چھوٹا جانا میں نے نفس اپنے کو مگر نزدیک اس کے اور کہا حلبی نے کبیری میں کہ حدیث قلتین کی ضعیف ہے بسبب مضطرب ہونے متن حدیث کے۔ کیونکہ روایت کی گئی ہے ایک دفعہ یوں جب پہنچے پانی دو قلے یا تین قلے کو اور دوسری روایت میں یوں آیا ہے جب پہنچے چالیس قلے کو نجس نہیں ہوتا اور واسطے مخالف ہونے حدیث قلتین کے آثارِ مذکورۃ الصدر کو اور مخالف ہے حدیث قلتین کی حدیث صحیحین کو فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے:

''نہ پیشاب کرے کوئی تمھارا بیچ پانی غیر جاری کے پھر غسل کرے اس میں۔''

اور ایک روایت میں یوں آیا:

''نہ غسل کرے کوئی بیچ پانی غیر جاری کے اور حالانکہ وہ جنبی ہو۔''

وحديث ابن ماجة عن أبي سعيد الخدري أن النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن الحياض التى بين مكة والمدينة تردها السباع والكلاب والحمر وعن الطهارة منها. فقال: لها ما حملت في بطونها ولنا ما غبر طهور. وكذا حديث جابر بن عبد الله وأمثاله يحمل على الحياض الكبيرة التى أخذت ماؤها حكم الماء الجاري ولكن لما كانت أحاديث الحياض مجملة عن بيان أدنى حد الكثرة اختلفت الروايات في التحديد وأما تحديد العشر في العشر كما اختاره أبو سليمان يمكن استنباطه من أصل شرعي وهو أنه كما قدر المهر ونصاب السرقة بالعشرة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا مهر أقل من عشرة دراهم. رواه

الدارقطني. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقطع يد السارق إلافى مجنّة قومت يومئذ بعشرة دراهم، أخرجه الطحاوى في شرح الآثار، كذلك قدرنا جوانب الحوض قياسا عليهما. فليتأمل.

"یعنی پوچھی گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاکی ان حوضوں سے جو مابین مکہ اور مدینہ کے ہیں وارد ہوتے ہیں اور درندے اور کتے اور گدھے۔ فرمایا ان کے لیے جو پی گئے اور ہمارے لیے جو بچا پاک ہے، حمل کی جاوے گی یہ حدیث اور جو ہم معنٰی اس کی ہے اوپر بڑے حوضوں کے جو بیچ حکم پانی جاری کے ہیں لیکن چونکہ یہ احادیث مجمل تھیں بیان ادنیٰ حدِّ کثرت سے مختلف ہوئیں روایات بیچ تعیینِ حد کے اور تعیین دہ دردہ کی جو اختیار کیا اس کو ابوسلیمان نے مستنبط ہو سکتی ہے اصل شرعی سے اور وہ یہ ہے کہ تحقیق جیسا کہ معین کی گئی حد مہر اور چوری کی ساتھ دس درہم کے۔ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں مہر کم دس درہم سے۔" روایت کیا اس کو دارقطنی نے

اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ((نے)) نہ کاٹا جاوے ہاتھ چور کا مگر بیچ سپر ((ڈھال)) کے جو قیمت کی گئی تھی اس وقت میں ساتھ دس درہم کے۔ روایت کیا اس کو امام طحاوی نے۔

اسی پر قیاس کر کے کہا ہم نے کہ جوانب حوض کے کم نہ ہوں دس دس گز سے اور یہ عمل بہت محتاط ہے کیونکہ جمیع روایت قلتین اور چالیس قلہ کی بھی مخالف نہیں اس کے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مسئلہ بول (پیشاب)

بول (پیشاب) بیٹھ کے کرنا چاہیے نہ کھڑے ہو کر۔

عن عائشة قالت من حدثك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بال قائما فلا تصدقه، أنا رأيته يبول قاعدا. رواه ابن ماجه

فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو شخص بیان کرے تیرے پاس کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے پس نہ سچا جان تو اس کو۔ میں نے دیکھا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھ کر پیشاب کرتے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

وعن عمر رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قال رآني رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وأنا أبول قائما، فقال يا عمر: لا تبل قائما، فما بلت قائما.

"یعنی کہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ دیکھا مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور حالانکہ میں پیشاب کر رہا تھا کھڑا ہو کر۔ پس فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ پیشاب کر کھڑا ہو کر۔ پھر بول نہیں کیا میں نے کھڑے ہو کر بعد اس کے۔" روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

وعن جابر بن عبد الله قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يبول قائما.

"کہا جابر رضی اللہ عنہ نے منع کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر

پیشاب کرنے سے۔" روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

فائدہ:

جب ان احادیث سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نہی ثابت ہوئی بس حمل کی جاوے گی حدیث حذیفہ وغیرہ جس میں حضرت ﷺ کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا روایت کیا گیا ہے او پر کسی عذر کے۔ كذا قال الطيبي واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مسئلہ:

لڑکے کے پیشاب سے کپڑے کو دھونا چاہیے۔

عن عائشة رضي الله عنها أنه عليه السلام قال: صبوا عليه الماء صبا كذا في شرح الموطا للقاري.

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ بہادو پانی لڑکے کے پیشاب پر۔

فائدہ:

پس معلوم ہوا اس سے کہ لڑکا اور لڑکی اس امر میں برابر ہیں مگر لڑکیوں کے پیشاب کو مبالغہ کے ساتھ دھونا ضرور ہے اور لڑکوں کے پیشاب کو تریڑا کفایت کرتا ہے اور یہی مراد ہے لفظ "نضح" سے بیچ حدیث صحیحین کے "فدعا بماء فنضحه" اور ذکر کیا ہے سیوطی نے کہ "نضح" کے معنی دھونے اور دور کرنے کے ہیں اور کبھی مراد اس سے معنٰی چھینٹے دینے کے بھی لیے جاتے ہیں اور کہا امام طحاوی نے کہ اس حدیث میں "نضح" کے معنی غسلِ خفیف کے ضرور لینے چاہئیں تاکہ مخالف نہ ہو ساتھ حدیث:

انتزهوا عن البول فإن عامة عذاب القبر منه.

یعنی پاکی حاصل کرو پیشاب سے اس لیے کہ اکثر عذابِ قبر اس سے ہوتا ہے۔

فائدہ:

یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے اوپر نجاستِ بول کے علی الاطلاق یعنی بولِ ماکول اللحم وغیرہ برابر ہے اس حکم میں۔ پس مذہب امام اعظم کا بموجب اس حدیث کے احتیاط پر ہے اور مراد "نضح" سے غسل کا ہونا احادیث سے ثابت ہے:

قال عليه السلام في المذي: فلينضح فرجه

"فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیچ حکم مذی کے: پس چاہیے کہ نضح یعنی دھوڈالے فرج اپنی کو۔" روایت کیا اس کو ابوداؤد وغیرہ نے۔

وعن أسماء قال عليه السلام: إذا أصاب ثوب أحداكن الدم من الحيضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصل فيه.

"روایت ہوا اسماءؓ سے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب پہنچے کپڑے ایک تمھارے کو خون حیض سے پس چاہیے کہ ملے چٹکیوں سے، پھر دھوئیں اس کو ساتھ پانی کے، پھر نہ پڑھے اس میں۔" روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ اگر مراد "نضح" سے غسل ہوتا تو حدیث میں لفظ "لم يغسل" وارد نہ ہوتا یعنی نہ دھویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

اول تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ لفظ اصل حدیث کا نہیں ہے بلکہ یہ کلام ابن شہاب سے ہے کذا نقل القسطلانی فی شرح البخاری عن اصیلی۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں نفی اصل غسل کی نہیں ہے بلکہ نفی کمال کی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے فلانا شخص آدمی نہیں۔ مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ یہ شخص آدمیت میں کامل نہیں اور یہ مراد نہیں ہوتی کہ یہ شخص بنی آدم سے نہیں وقس علیہ ذالک واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مسئلہ: جوتے اتار کر نماز پڑھنا

جوتے اتار کر نماز پڑھنا بہتر ہے۔ قال الله تعالی:

﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ [طه: ۱۲]

فرمایا اللہ جلّ شانہٗ نے اتار دے دونوں جوتوں اپنے کو اے موسیٰ، تحقیق تو ہے پاک میدانِ طویٰ میں۔

اور لکھا ہے شاہ اہل اللہ نے بیچ تفسیر اس آیت کے کہ یہ حکم واسطے تعظیم وادی کے ہے۔

فائدہ:

یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ جو مکان اللہ کے نزدیک بہتر اور ذی عزت ہو اس کی تعظیم کے واسطے جوتوں کا اتارنا لازم ہے تاکہ خانۂ خدا باقی مکانات سے ممتاز ہو اور جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطے مخالفت یہود کے تھا۔ یعنی یہود جوتیوں سے اگرچہ پاک ہوں نماز پڑھنا برا جانتے تھے اور ابتدائے اسلام میں یہودی مدینہ منورہ میں بہت تھے اور نعلین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف ایک تلہ اور تسموں کے تھے جیسا کہ اس ملک میں بعضے پہاڑیوں کے پاس دیکھے جاتے ہیں۔ پس اس ملک ہند میں بدوں ان جوتوں کے اس ملک کے جوتے سے نماز پڑھنے کو باوجودیکہ یہ شعار اس ملک میں نصاریٰ کا ہے، سنّت جاننا بے سند ہے۔ علاوہ اس کے جوتے کا پاک ہونا ضرور ہے۔ اسی واسطے حضرت ﷺ نے جوتے اپنے بسبب خبر دینے وحی کے کہ جوتے کو پلیدی لگی ہوئی ہے نماز میں نکال ڈالتے تھے۔ پس جب حضرت ﷺ کو اپنے جوتے کی پلیدی بعض اوقات میں بدوں وحی کے نہ ہوئی، اس ملک کے لوگوں کو کس طرح اپنی پاکی پر یقین ہے؟ شاید یہ لوگ اپنے آپ کو بہت محتاط سمجھتے ہوں گے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مسئلہ نمازِ فجر

عن رافع بن خديج قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر.

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روشنی میں پڑھو فجر کو کیونکہ اس میں ثواب بہت ہے۔

روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا ترمذی نے اس پر عمل ہے بہت صحابہ اور تابعین کا اور یہ حدیث صحیح ہے۔

عن عبد الله بن مسعود قال: ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلوة إلا لميقاتها إلا صلاتين، صلاة المغرب والعشاء بجمع وصلى الفجر يومئذ قبل وقتها بغلس. رواه مسلم

یعنی نہیں دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو پڑھی ہو کوئی نماز بجز وقت اس کے کے، مگر مغرب اور عشاء مزدلفہ میں اور پڑھی فجر وقتِ مستحب سے پہلے یعنی اندھیرے میں دن حج کے۔ روایت کیا اس کو امام مسلم نے۔

کہا امام نووی نے شرح مسلم میں یہ روایات دلیل ہیں واسطے امام اعظم کے بیچ اس بات کے کہ پڑھنا بہتر ہے نمازِ فجر کا بعد اندھیرا دور ہونے کے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

مسئلہ

عن أبي ذر قال: كنا في سفر مع النبي فأراد المؤذن أن يؤذن

فقال له أبرد، ثم أراد أن يؤذن فقال له أبرد، ثم أراد أن يؤذن، فقال له أبرد، حتى ساوى الظلّ التّلول، فقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم: إن شدّة الحرّ من فيح جهنم؛ رواه البخاري

یعنی ارادہ کیا مؤذن نے اذان کا، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرد کر، پھر کچھ دیر بعد ارادہ کیا اذان کا، پھر فرمایا سرد کر، پھر تیسری دفعہ ارادہ کیا اذان کا، پھر فرمایا سرد کر۔ یہاں تک کہ برابر ہو گیا سایہ ٹیلوں کا ساتھ ان ٹیلوں کے۔ پھر فرمایا کہ شدّت گرمی کی بھاپ دو زخ سے ہے۔روایت کیا اس حدیث کو امام بخاری نے۔

فائدہ:

یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ ظہر پڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد ایک مثل کے۔

عن عبد الله بن رافع أنه سال أبا هريرة عن وقت الصلاة فقال أبو هريرة: أنا أخبرك، صلّ الظهر إذا كان ظلّك مثلك والعصر إذا كان ظلّك مثليك.

"پوچھا عبداللہ نے ابوہریرہؓ سے وقت نماز کا۔ پھر کہا ابوہریرہؓ نے میں خبر دیتا ہوں تجھ کو، پڑھ ظہر کو جب کہ ہو جائے سایہ تیرا مثل تیرے اور پڑھ عصر کو جب کہ ہو جائے سایہ تیرا دو مثل۔" روایت کیا اس حدیث کو امام محمد نے موطا میں۔

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوئے:

۱. اول وقت باقی رہنا ظہر کا بعد ایک مثل کے۔

۲. اور دوسرا شروع ہونا وقت ظہر کا بعد دو مثل کے۔

لیکن باقی رہا یہ امر کہ وقتِ ظہر دو مثل تک باقی رہتا ہے نہیں؟ سو ثابت ہے باقی رہنا اس کا قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو نیچ حدیث عبداللہ بن عمروؓ کے ہے: "مالم يحضر العصر " یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ وقت ظہر کا باقی رہتا ہے جب تک نہ آوے وقت عصر کا۔

وعن عبد الله بن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنما مثلكم ومثل أهل الكتاب كالرجل استأجر أجراء فقال من يعمل لي من غدوة إلى نصف النهار على قيراط قيراط؟ فعملت اليهود، ثم قال: من يعمل لي من نصف النهار إلى صلاة العصر على قيراط قيراط؟ فعملت النصارى، ثم قال من يعمل لي من صلاة العصر إلى أن تغيب الشمس على قيراطين؟ فأنتم هم. فغضبت اليهود والنصارىٰ ما لنا كنا أكثر عملا وأقل عطاء؟ فقال: هل نقصت من حقكم شيئا؟ فقالوا: لا. قال: فذلك فضلي أوتيه من أشاء. رواه البخاري

"یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شک مثال تمھاری اور اہلِ کتاب کی اس طرح پر ہے کہ مقرر کیا ایک شخص نے مزدوروں کو فجر سے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر، پس کام کیا یہود نے۔ پھر کہا اس شخص نے کون ہے

جو کام کرے میرا دوپہر سے عصر تک ایک ایک قیراط پر؟ پس عمل کیا نصاریٰ نے۔ پھر کہا کون ہے جو کام کرے عصر سے تا غروب ہونے آفتاب کے دو دو قیراط پر؟ سو وہ تم ہو۔ پس غصّہ ہو کر کہنے لگے یہود اور نصاریٰ کہ کیوں کم ملی ہم کو مزدوری اور بہت کیا ہم نے کام؟ پس فرمایا کیا کم کیا ہم نے تمھارے حق میں سے کچھ؟ کہا اہلِ کتاب نے کم نہیں کیا۔ فرمایا یہ فضل میرا ہے، دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں۔" روایت کیا اس کو بخاری نے۔

قال القاري في شرح الموطا: ولن يكون النصارى أكثر عملا إلا إذا كان وقت العصر من صيرورة ظل كل شيء مثليه كما قال به أبو حنيفة وأما الإيراد بأن الوقت من الزوال إلى المثل أيضا أكثر مما بقي إلى الغروب فمردود بأن هذه الزيادة القليلة لا يعرفها إلا الحُسّاب، والمراد من الحديث الزيادة الكثيرة التي يظهر لكل أحد كالتفاوت الظاهرة بين وقت اليهود والنصارى. انتهى مع تلخيص وتوضيح

یعنی نہیں ہوتا کام نصاریٰ کا زائد مگر باعتبار ہونے وقت عصر کے بعد دو مثل کے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ زوال سے ایک مثل تک بھی زیادہ ہے نزدیک اہلِ حساب کے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زیادتی بجز حساب دان کے معلوم نہیں ہوتی اور مراد حدیث سے وہ زیادتی ہے جو ہر شخص بے تامّل معلوم کر لے جیسا کہ زیادتی نصف دن عمل یہود کی اوپر وقت ظہر کے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مسئلہ استنجاء

ڈھیلا کرنا بعد بول کرنے کے ثابت ہے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے۔ كذا في كشف الغمّہ اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ لازم پکڑو سنّت میری اور سنّت خلفاء راشدین کی۔ پس ڈھیلا کرنا بموجب حدیث مذکور کے سنّت ٹھہرا۔ انکار اس کا انکارِ حدیث کا ہے۔

مسئلہ

مسح کرنا گردن کا ثابت ہے احادیث سے۔

قال القاري في الموضوعات: وقد ثبت في حديث وائل أنه عليه السلام مسح ظاهر رقبته. رواه الترمذی

وعن موسى بن طلحة قال: من مسح قفاه مع رأسه وقي من الغلّ.

والحديث موقوف إلا أنّه في الحكم مرفوع؛ لأنّ مثله لا يقال بالرأي ويقوّيه ما روي مرفوعا في مسند الفردوس من حديث ابن عمر، لكن بسند ضعيف والضعيف يعمل به في فضائل الأعمال اتفاقا، ولذا قال أئمتنا: إنّ مسح الرقبة مستحبة أو سنة. انتهى ملخصا

یعنی کہا وائل رضی اللہ عنہ نے مسح کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گردن کا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

اور روایت ہے موسیٰ بن طلحہ سے: جس نے مسح کیا گردن کا ساتھ سر کے، بچایا جاوے گا طوق دوزخ کے سے۔

اور یہ حدیث حکم مرفوع میں ہے اور حدیث مرفوع بھی عبداللہ بن عمر سے مسند الفردوس میں ساتھ سندِ ضعیف کے روایت کی گئی ہے اور فضائلِ اعمال میں عمل کرنا ساتھ حدیث ضعیف کے درست ہے سب محدثین کے نزدیک۔ اس واسطے علمائے حنفیہ نے مسح گردن کو مستحب کہا ہے۔

قال الشعراني في الميزان: إنّ مسح العنق يزيل الغمّ والهمّ وهو مستحب عند أبي حنيفة وأحمد وبعض الشافعية لما رواه الديلمي أن مسح صفحة العنق بالماء أمانٌ من الغل. انتهى ملخصا

کہا امام شعرانی نے تحقیق مسح گردن کا دور کرتا ہے غم کو اور مستحب ہے نزدیک امام اعظم کے اور امام احمد اور بعض شافعیوں کے بموجب روایت دیلمی کے کہ تحقیق مسح گردن کا امان ہے طوق دوزخ کے سے۔

عن وائل بن حجر أنه عليه السلام مسح على رأسه ثلاثا ومسح أذنيه ثلاثا وظاهر رقبته.

روایت کیا اس حدیث کو ترمذی نے۔

عن كعب بن حجر أنه عليه السلام مسح الرقبة مع الرأس.

روایت کیا اس کو ابو داؤد نے۔ دونوں حدیثیں مسح گردن کی شیخ عبدالحق نے مدارج النبوۃ میں نقل کی ہیں ابن ہمام سے۔

وعن كعب بن عمر اليامي أنه عليه السلام مسح الرقبة مع الرأس.

روایت کیا اس کو طبرانی نے۔ نقل کیا اس کو علامہ حلبی نے کبیری میں ساتھ اسناد کے۔ پس جو شخص باوجود دیکھنے ان احادیث کے مسح گردن کرنے پر طعن کرے ضرور ملعون ہے۔ وماذا بعد الحق إلا الضلال، والله أعلم وعلمه أتم

مسئلہ مس ذکر

عن طلق أن رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل مسّ ذكره أيتوضّا؟ قال: هل هو إلا بضعة من جسدك.

پوچھا حضرت ﷺ کو ایک شخص نے کہ جو کوئی مس کرے ذکر اپنے کو آیا وضو کرے؟ فرمایا نہیں ہے وہ مگر ٹکڑا جسم تیرے کا۔
روایت کیا اس کو امام محمد نے موطا میں۔

فائدہ:

یعنی مسّ ذکر اور مسّ انف وغیرہ کا ایک حکم ہے اور اس مضمون کی پندرہ حدیثیں ابن عباس اور علی اور ابن مسعود اور عمار اور حذیفہ اور علقمہ اور سعد اور ابی الدرداء وغیرہ رضی اللہ عنہم سے امام محمد نے موطا میں روایت کی ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مسئلہ وضو

گوشت وغیرہ کھانے سے وضو نہ کریں گے۔

حدیثیں:

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أكل جنب شاة ثم صلى ولم يتوضأ.

کہا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہ تحقیق کھایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانہ بکری کا، پھر نماز پڑھی اور نہ وضو کیا۔

روایت کیا اس کو امام محمد نے موطا میں۔

فائدہ:

اسی طرح روایت کیا ہے امام محمد نے ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم سے اور کہا سوید رضی اللہ عنہ نے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عامِ خیبر کے سفر میں ستو کھا کر مضمضہ کر کے نماز مغرب کی پڑھی اور وضو نہ کیا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مسئلہ اذان میں ترجیع

اذان میں ترجیع نہ کریں گے۔

حدیثیں:

قال الحلبي في الكبيري: إنه لا ترجيع عندنا للأحاديث المشهورة.

یعنی تحقیق نہیں درست اعادہ کرنا شہادتین کا اذان میں بدلیل احادیثِ مشہورہ کے۔ مثل حدیث عبداللہ بن زید اور حدیث ابن عمر کے جو روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن خزیمہ اور ابوحسان نے اور حدیث ابی محذورہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ روایت مسلم کی اگرچہ دلالت کرتی ہے اوپر ترجیع کے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مسئلہ:

اقامت مثل اذان کے ہے۔

قال في الكبيري: الإقامة مثل الأذان إلا أنه زيد قد قامت الصلاة لحديث أبي داود عن ابن أبي ليلي وحديث ابن أبي شيبة عن عبد الرحمن ورجاله رجال الصحيحين

یعنی کہا حلبی نے دونوں حدیثیں ابوداؤد اور ابن ابی شیبہ کی دلالت کرتی ہیں کہ اقامت مثل اذان کے ہے بجز قد قامت الصلاۃ کے اور کہا طحاوی نے کہ تحقیق متواتر ہیں آثار بلال رضی اللہ عنہ سے کہ تھے دو دو کلمہ کہا کرتے اقامت کے، نہ ایک ایک مرنے تک۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم

مسئلہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا

عن حجر قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرّة.

یعنی کہا حجر رضی اللہ عنہ نے دیکھا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہ رکھا داہنا ہاتھ اوپر بائیں کے نماز میں نیچے ناف کے۔

روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے اور یہ حدیث صحیح ہے اوپر شرط مسلم کے۔

عن أبي جحيفة قال علی: من سنّة الصلاة وضع الأيدي تحت السرّة وفي رواية: من السنة وضع الأكف على الأكف تحت السرة.

روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے یہ دونوں روایتیں بسبب مخالفت قیاس اور بمقتضیٰ حدیث "عليكم بسنتى وسنة الخلفاء" کے بیچ حکم حدیث مرفوع کے ہیں۔ کما مر غير مرة

قال أبو هريرة: وُضِع الأكف على الأكف تحت السرة.

روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

قال ابو حجن يجعلهما تحت السرة

یعنی رکھے دونوں ہاتھوں کو نیچے ناف کے۔

روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

مسئلہ وتر کی تحقیق میں

عن ابن عمر أنه عليه السلام قال: اجعلوا آخر صلواتكم بالليل وترا. متفق عليه

یعنی کرو وتر آخر نماز اپنی کارات کو۔

قال عليه السلام: الوتر حق، فمن لم يوتر فليس مني.

یعنی فرمایا کہ وتر کا پڑھنا ضرور ہے، پس جس نے نہ ادا کیا ہو اس کو پس نہیں وہ میرے سے۔

روایت کیا ہے اس کو ابوداؤد اور حاکم نے اور صحیح کہا حاکم نے اس حدیث کو۔

وعن عبد الله عن النبي عليه السلام: الوتر واجب على كل مسلم.

روایت کیا ہے اس کو بخاری نے۔

وعن عائشة ثم يصلي ثلاثا.

یعنی پھر پڑھتے حضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تین وتر۔

روایت اس کو بخاری اور مسلم اور ترمذی نے۔

وعنها أنه عليه السلام كان يوتر بثلاث لا يفصل فيهن.

وفي رواية: كان لا يسلم في ركعتي الوتر.

"یعنی پڑھتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین اور جدا نہ کرتے دو رکعتوں کو ساتھ سلام کے۔" روایت کیا اس کو نسائی اور احمد نے۔

عن أبي بن كعب أنه عليه السلام كان يقرأ في الوتر بسبح اسم ربك الأعلى وفي الثانية بقل يا أيها الكافرون وفي

الثالثة بقول هو الله أحد ولا يسلم إلا في آخرهن.

یعنی تھے حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پڑھتے سبح اسم اور قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ کو تین رکعت وتر میں اور نہیں سلام پھیرتے تھے مگر بعد رکعت تیسری کے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور نسائی اور ابن حبان اور حاکم نے۔

وعن ابن مسعود أن النبي صلى الله عليه وسلم يوتر فيقنت قبل الركوع.

یعنی قنوت پڑھتے تھے حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وتر میں قبل رکوع کے۔

روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

اسی طرح پر روایت کیا ہے خطیب نے عبداللہ بن مسعودؓ سے اور ابونعیم نے ابن عباسؓ سے اور طبرانی نے ابن عمرؓ سے۔

اور روایت کیا ہے علقمہ نے کہ:

"تحقیق عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اور اصحاب حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قنوت پڑھتے تھے وتر میں قبل رکوع کے۔" روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے۔

اور حدیث رفع یدین کرنے کی وتروں میں گزر چکی بیچ جواب مضمون ۴۰ کے۔

وعن عبد الله بن مسعود رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يقنت في الفجر قط إلا شهرا واحدا لم ير قبل ذلك ولا بعده.

یعنی نہیں قنوت پڑھا حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بیچ نماز فجر کے کبھی مگر ایک مہینہ۔ نہیں دیکھے گئے پہلے اس کے اور نہ بعد اس کے۔ روایت کیا اس کو امام اعظم نے۔

اور روایت کیا شبابہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ:

دروغ گو ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ نہیں پڑھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت مگر ایک مہینہ۔

اور صحیحین میں ہے کہ:

قنوت پڑھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ، پھر ترک کیا۔

اور روایت کیا نسائی نے ابن مالک سے کہ:

" نماز پڑھی میں نے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے، پس نہیں قنوت پڑھا کسی نے۔"

قال الحافظ أبو جعفر الطحاوي: إنما لم يقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بلية، فإن وقعت فتنة أو بلية فلا بأس به.

یعنی نہیں درست قنوت مذہب حنفیہ میں بیچ فجر کے بغیر نیت کے اور مصیبت کے وقت پڑھنا منع نہیں۔

یہ سب خلاصہ کبیری کا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مسئلہ تراویح

تراویح نزدیک جمہور کے بیس رکعت ہیں اور نزدیک امام مالک کے چھتیس رکعت ہیں اور دلیل جمہور کی یہ حدیثیں ہیں:

عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعليّ مثله. رواه البيهقي بإسناد صحيح

"یعنی تھے لوگ پڑھتے تراویح بیس رکعت حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے وقت میں۔" روایت کیا اس کو بیہقی نے ساتھ سند صحیح کے۔

وعن يزيد بن رومان قال: كان الناس في زمن عمر رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ يقومون في رمضان بثلاث وعشرين ركعة.

"یعنی تھے لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں پڑھتے تراویح بیس رکعت اور تین وتر کو جماعت سے۔" روایت کیا اس کو امام مالک نے۔

وفي المغني عن علي: أنه أمر رجلا أن يصلي بهم في رمضان بعشرين ركعة.

یعنی حکم کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو کہ پڑھاوے تراویح کو بیس رکعت۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے تھے رمضان میں بیس رکعت سوا وتر کے۔

روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے اور بغوی وغیرہ نے۔

اگرچہ یہ حدیث علماء کے نزدیک ضعیف ہے باعتبار سند کے لیکن عمل خلفاء راشدین

نے دور کر دیا ضعف اس کے کو۔

اور کہا عبد العزیز بن رفیع نے کہ:

تھے ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے ساتھ آدمیوں کے مدینہ میں بیچ رمضان کے بیس رکعتیں۔

اور اسی طرح ابو البختری اور حارث سے منقول ہے۔ نقل کیا ان حدیثوں کو ابن ہمام نے فتح القدیر میں۔ پس جبکہ ثابت ہوئی مواظبت خلفاء کی اوپر بیس رکعت تراویح کے تو سنّت ہوئی ہم پر اتباع ان کی بموجب حدیث "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين" کے۔

اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ کی باوجود مضطرب ہونے اس کے کے نہیں دلالت کرتی اوپر عدد رکعاتِ تراویح کے کیونکہ معنیٰ اس حدیث کے کہ:

"نہیں زیادہ کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر گیارہ رکعت کے رمضان اور غیر رمضان میں۔"

صاف دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ تہجد کی پڑھا کرتے تھے اور تراویح نہیں پڑھتے تھے کیونکہ اگر ان رکعات کو تراویح قرار دیا جاوے تو لازم آتی ہے مواظبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اوپر تراویح کے اور حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ نہیں پڑھی نماز تراویح کی آنحضرت صلی اللہ وسلم نے مگر دو رات یا تین رات جیسا کہ حدیث اس کی بخاری میں موجود ہے اور لازم آتا ہے پڑھنا تراویح کا بدوں رمضان کے، کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعتیں تمام سال بلا خصوصیت رمضان کے ادا کرتے رہے جیسا کہ دلالت کرتی اوپر اس کے حدیث مذکورہ اور حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے اتفاقاً۔ فاحفظه لعله لا تجد من غيرنا والله أعلم وعلمه أتم۔

مسئلہ تسمیہ بالجہر

عن أنس رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أن النبي صلى الله عليه وسلّم وأبا بكر وعمر كانوا يفتتحون الصلاة بالحمد لله رب العالمين. أخرجه مسلم

انس رضی اللہ عنہ نے کہا مقرر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ شروع کرتے تھے نماز الحمد سے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

وروى ابن مسعود: ما جهر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتسميه في صلاة مكتوبة.

اور روایت کیا ابن مسعود نے نہیں پکار کر کہا رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بسم اللہ کو فرض کی نماز میں۔

وفي رواية: فلم أسمع أحدا منهم يجهر بسم الله الرحمن الرحيم.

اور ایک روایت میں ہے نہیں سنا میں نے ان میں سے کسی کو کہ پکار کر پڑھتے بسم اللہ کو۔

اور روایت کیا اس کو نسائی اور دارقطنی اور احمد اور ابن حبان نے۔

فكانوا لا يجهرون بسم الله الرحمن الرحيم

کہ نہیں پڑھتے تھے پکار کر بسم اللہ کو۔

مسئلہ

عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى. رواه مسلم

یعنی بچھاتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پاؤں اپنا اور کھڑا رکھتے تھے دایاں پاؤں اپنا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تیسیر الاصول میں ہے:

عن أبي عمر: إنما سنة الصلاة أن تنصب رجلك اليمنى وثنى اليسرى. أخرجه البخاري ومالك والنسائي.

یعنی سنّت نماز میں یہی ہے کہ کھڑا رکھے تو اپنا داہنا پاؤں اور بچھائے بایاں۔ روایت کیا اس کو بخاری اور مالک اور نسائی نے۔

اور عورت کو سرین پر بیٹھنا چاہیے اور حدیث اس کی مسند امام میں موجود ہے۔ واللہ أعلم وعلمه أتم۔

مسئلہ

عن وائل بن حجر رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سجد وضع ركبته قبل يديه وإذا نهض رفع يديه قبل الركبة. أخرجه أصحاب السنن

یعنی تھے نبی صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب سجدہ کرتے رکھتے اپنے گھٹنوں کو پہلے اپنی ہاتھوں کو اور جب کھڑے ہوتے اٹھاتے اپنے ہاتھ پہلے گھٹنوں سے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور نسائی اور ابوداؤد نے۔

مسئلہ

عن ابن عمر: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يعتمد الرجل على يديه إذا نهض من الصلاة.

یعنی منع فرمایا رسول اللہ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے کہ بوجھ دے آدمی اپنے ہاتھوں کو کھڑے ہونے کے وقت نماز میں۔

یہ دونوں حدیثیں تیسیر الاصول میں ہیں۔

مسئلہ

عن أبي هريرة رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهض في صلاة على صدور قدميه.

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے تھے نماز میں اپنی پیروں کے سروں پر یعنی انگلیوں کی جڑ پر۔

عن ابن مسعود أنه كان ينهض في الصلاة على صدور قدميه ولم يجلس وأخرج نحوه عن علي وكذا عن ابن عمر وابن زبير وعن عمر.

روایت کیا ابن ابی شیبہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تحقیق اٹھتے تھے نماز میں اپنی پیروں کی انگلیوں کے جڑ پر اور نہ بیٹھتے تھے۔ اور ایسا ہی روایت کیا گیا ہے علی اور ابن عمر اور ابن زبیر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے۔

مسئلہ

عن شريح قال: أتيت عائشة أسالها عن مسح الخفين فقالت: عليك بابن أبي طالب، فإنه كان يسافر مع رسول الله فسألناه فقال جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر ويوما وليلة للمقيم. رواه مسلم

یعنی کہا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدّت مسافر کے واسطے مسح کے تین دن اور مقیم کے ایک دن ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

فائدہ:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کوئی مسافر شرعًا بغیر تین روز کی مسافت کے نہیں ہوتا ورنہ قید تین دن کے واسطے مسح کرنے کی حدیث میں معاذ اللہ بے فائدہ ہوتی اور یہی ہے مذہب عثمان اور ابن مسعود اور سوید اور حذیفہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا۔ کذافی الکبیری۔

مسئلہ

روى أبو داود والبيهقي بإسناد صحيح أنه صلى الله عليه وسلم قام بتبوك عشرين يوما يقصر ونقل عن أكثر صحابه مكثهم غزاة تسعة أشهر يقصرون الصلاة. كذا في الكبيري

روایت کیا ابو داؤد اور بیہقی نے ساتھ اسنادِ صحیح کے: تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت کی تبوک میں بیس دن قصر کرتے رہے اور منقول ہے اکثر صحابہ سے اقامت ان کی غزا میں نوماہ تک اور دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔

اور اگر مسافر قصد پندرہ روز کی اقامت کا کرے تو اس پر اقامت کی نماز لازم آتی ہے۔

وهو ماثور عن ابن عباس وابن عمر والأثر في مثله كالخبر كذا في الهداية

یعنی یہ مسئلہ منقول ہے ابن عباس اور ابن عمر سے اور قول صحابی کا ایسے مقام میں مثل حدیث کے ہے۔ کیونکہ ایسا مسئلہ قیاس سے نہیں کہا جاتا۔ پس ضرور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کیا ہوگا۔

روایت کیا ان دونوں اثر کو طحاوی نے۔

مسئلہ

عن ابن مسعود أنه دخل المسجد وأقيمت الصلاة فصلّى ركعتي الفجر في المسجد الى أسطوانة وذلك بمحضر حذيفة وأبي موسى.

داخل ہوئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں اور اقامت کہی گئی واسطے جماعت کے۔ پس پڑھا عبداللہ بن مسعودؓ نے دو رکعت سنّت کو طرف ایک ستون کے روبرو حذیفہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کے۔

روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

وروي مثله عن عمر بن الخطاب وأبي الدرداء وابن عباس ذكره ابن بطال في شرح البخاري

اور اسی طرح روایت کیا گیا ہے عمر اور ابو درداء اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے۔ بیان کیا ہے اس کو ابن بطال نے صحیح بخاری کی شرح میں۔ کذا فی کنز العمال

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بعد فرضوں کے سنّت کا پڑھنا درست نہیں جیسا کہ احادیث اس مضمون کی صحاح میں موجود ہیں۔

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: لا صلاة بعد الصبح حتى ترتفع الشمس.

”فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں نماز پیچھے صبح کے یہاں تک کہ بلند ہو جائے آفتاب۔“ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔

اور حدیث محمد بن ابراہیم کی کہ:

”پڑھی ایک شخص نے دو رکعت سنّت کی بعد نماز صبح کے اور منع نہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو۔“

ضعیف ہے۔ یعنی یہ حدیث قابل سند کے نہیں۔

قال الترمذي: إسناد هذا الحديث ليس متصل

کہا ترمذی نے اسناد اس حدیث کے متّصل نہیں۔

مسئلہ

قال محمد في الموطأ: لا يصلي على جنازة في المسجد وكذلك بلغنا عن أبي هريرة وموضع الجنازة بالمدينة خارج من المسجد وهو الموضع الذي كان النبي صلى الله عليه وسلّم يصلّي على الجنازة فيه.

جس مکان میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ پڑھا کرتے تھے وہ خارج مسجد سے تھا۔

كان أبو بكر وعمر إذا تضايق بهم المصلى انصرفوا ولم يصلوا عليها في المسجد وقال ابن عمر: من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له. كذا في كشف الغمة

یعنی تھے ابوبکرؓ اور عمرؓ جب تنگ ہو جاتا مکان جنازے کا ہٹ آتے اور نہ پڑھتے نماز جنازہ کی مسجد میں۔

اور کہا ابن عمرؓ نے:

جس شخص نے پڑھی نماز جنازے کی مسجد میں نہ پاوے گا ثواب کو۔

مسئلہ

عن النبي عن آخر صلاة صلاها على النجاشي كبر أربعا وثبت عليها حتى توفي وإن أبا بكر الصديق صلى على النبي عليه السلام فكبر أربعا وصلى عمر على أبي بكر فكبر أربعا وصلى صهيب على عمر فكبر أربعا. قال أبو عمر بن عبد البر: انعقد الإجماع على أربع وما روي عن خمسة منسوخ. كذا في الكبيري

یعنی آخری عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چار تکبیروں پر تھا اور اسی پر حضرت ﷺ نے وفات پائی اور ابوبکرؓ نے جب نماز جنازہ پڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار تکبیریں کہیں اور اسی طرح پڑھایا عمرؓ نے جنازہ ابوبکر صدیقؓ اور صہیبؓ نے عمرؓ کا۔ اور کہا ابو عمر نے اسی پر اجماع منعقد ہوا اور روایت پانچ تکبیروں کی منسوخ ہے۔

عن أبي امامة في آخر حديث طويل قال فخرج رسول الله حتى صف بالناس على قبرها فصلى على قبرها فكبر أربع تكبيرات. رواه محمد في الموطا

یعنی نکل گئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں، پس صف باندھ کر نماز پڑھی قبر پر اور کہیں چار تکبیریں۔

فائدہ:

اس سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کی بدوں روبرو ہونے کے درست نہیں ورنہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر پر جانا ضرور نہ تھا اور جنازے کی نماز میں چار تکبیریں ضرور کہی جاویں۔

وما روى من صلاته عليه السلام على النجاشي وزيد وجعفر وغيرهم فمحمول على الخصوصية؛ لأنه صرح فيما عدا النجاشي بأنه رفع له مع أنه قد توفي خلق كثير منهم غيبا من أعز الناس عليه كالقرّاء ولم يؤثر قط أنه عليه السلام صلى عليهم. كذا في الكبيري

اور نماز پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی وغیرہ پر بسبب رو برو ہوجانے جنازہ کے تھا بطور معجزہ کے۔

جیسا کہ تصریح اس کی بعض روایات میں ہے:

قال الواقدي: جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وكشف له فهو ينظر إلى معركتهم فقال: أخذ الراية زيد بن حارثة فمضى حتى استشهد وصلى عليه ودعى له، ثم أخذ الراية جعفر بن أبي طالب حتى استشهد وصلى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلّم. كذا في الكبيري

یعنی نقل کیا ہے واقدی نے کہ بیٹھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر اور کھل گیا واسطے حضرت ﷺ کے پردہ۔ پس دیکھ رہے تھے حضرت ﷺ لڑائی کی جگہ

کو۔ پس فرمایا آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کہ اب پکڑا نشان زیدؓ نے یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ پس جنازہ پڑھا آنحضرتؐ نے پھر فرمایا کہ اب نشان پکڑا جعفرؓ نے یہاں تک کہ شہید ہوا، پس جنازہ پڑھا اس کا۔

اگر غائب پر جنازہ پڑھنا درست ہوتا تو غازیوں اور قراء صحابہ پر جن کو کفار نے فریب دے کر قتل کیا ضرور پڑھتے اور حالانکہ خبر قتل ہونے ان کے کی اور اسلام ان کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل کی زبانی معلوم ہوا۔

مسئلہ

فی الموطا عن سعید المقبري عن أبیه أنه سأل أبا هريرة كيف يصلي على الجنازة؟ فقال أنا لعمر الله أخبرك، اتبعها من أهلها فإذا وضعت كبرت فحمدت الله وصليت على نبيه ثم قلت: اللّٰهم عبدك وابن عبدك وابن أمتك كان يشهد أن لا إلٰه إلا أنت وأنّ محمّدا عبدك ورسولك وأنت أعلم به إن كان محسنا فزد في حسناته وإن كان مسيئا فتجاوز عنه. اللّٰهم لا تحرمنا أجره ولا تفتنّا بعده. قال محمد: وبهذا نأخذ، لا قراءة على الجنازة وهو قول أبي حنيفة.

''موطا میں ہے کہ پوچھا میں نے ابوہریرہؓ سے کیفیت نماز جنازے کی۔ پس قسم کھا کر بیان کیا ابوہریرہؓ نے: بعد تکبیر کہنے کے حمد کہے اللہ کی اور درود بھیجے اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے، بعدہٗ دعا کرے واسطے میت کے۔ کہا امام محمد نے اسی پر ہے عمل ہمارا۔ یعنی جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور نہیں ثابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کا پڑھنا جنازے کی نماز میں۔''

قال العيني شارح البخاري: نقل عن أبي هريرة وابن عمر ليس فيها قراءة وقال ابن بطال: وممن كان لا يقرأ وينكر

عمر بن الخطاب وعلي ابن أبي طالب وأبو هريرة ومن التابعين عطاء وطاوس وسعيد وابن سيرين ومعبد والشعبي والحكم. وقال مالك: قراءة الفاتحة ليست معمولا بها في بلدنا في الجنازة.

کہا عینی شارح بخاری نے کہ ابو ہریرہؓ اور ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ نہیں قراءۃ جنازے کی نماز میں اور کہا ابن بطال نے کہ نہیں پڑھتے تھے اور روکتے تھے لوگوں کو فاتحہ پڑھنے سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور ابوہریرہؓ اور تابعین سے عطاءؒ اور طاؤسؒ اور سعیدؒ اور ابن سیرینؒ اور معبدؒ اور شعبیؒ اور حکمؒ اور کہا امام مالکؒ نے کہ عمل نہیں ہمارے شہر یعنی مدینہ منورہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا جنازے پر۔

مسئلہ

عن ابن عباس وأبي هريرة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى على جنازة رفع يديه في أول تكبيرة ثم لا يعود. رواه الدارقطني. قال ابن حزم: لم يأت عن النبي أنه رفع في شيء من تكبيرات الجنازة إلا في الأولى. قال السروجي: والعجب من الثوري أنه يدعي الرفع في كل تكبيرة سنة ويسند بفعل ابن عمر مع أن الرواية عنه مضطربة.

کہا ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ نے کہ جب نماز پڑھتے جنازہ پر رفع یدین کرتے پہلی تکبیر میں پھر نہ اٹھاتے باقی تکبیروں میں۔ روایت کیا اس کو دارقطنی نے۔ کہا ابن حزم نے نہیں ثابت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین کرنا جنازے کی نماز میں سوائے تکبیر تحریمہ کے۔ کہا سروجی نے تعجب ہے ثوری کا سنّت قرار دینا رفع یدین ہر تکبیر جنازے میں اور سند پکڑنا فعل ابن عمرؓ کو باوجودیکہ مضطرب ہے ان سے روایت۔

شرائط جمعہ

شرائط جمعہ کی ادا کرنے کی چھ ہیں:

شرط پہلی

شہر ہو یا میدان اس کا۔ یعنی جمعہ بغیر شہر یا میدان شہر کے ادا نہیں ہوتا۔

وهو مذهب علي بن أبي طالب وحذيفة وعطاء والحسن والنخعي ومجاهد وابن سيرين والثوري وسحنون لما روي ابن ابي شيبه عن علي رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ أنه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة. وصححه ابن حزم في المحلّى والموقوف في هذا كالمرفوع لأنه من شروط العبادة وهي من أحكام الوضع لا مدخل للرأي فيها. كذا في الكبيري

یعنی یہی مذہب ہے علیؓ اور حذیفہؓ اور عطاء اور حسن اور نخعی اور ابن ابی سیرین اور ثوری اور سحنون کا اور فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں ادا ہوتا جمعہ اور نہ عید مگر بیچ شہر بڑے کے۔ اور یہ حدیث صحیح موقوف مرفوع کے برابر ہے کیونکہ بیان شرائط کا عقل سے نہیں ہو سکتا۔ یعنی اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علی رضی اللہ عنہ نے نہ سنا ہوتا تو ہرگز اپنی عقل سے کبھی بیان نہ کرتے۔

وما روى ابن عباس أنها جمعت بجواثا قرية في البحرين لا يضرنا لأن إطلاق القرية على المصر شايع في القرآن فلم لا

يجوز أن يكون إطلاق القرية على جواثا من هذا القبيل؟ بل الحمل على هذا المعنى هو الأولى والأنسب ليطابق كلامه تعالى.

اور روایت ابن عباس کی کہ جمعہ پڑھا گیا جواثا میں جو قریہ ہے بحرین میں نہیں مخالف ہمارے کیونکہ اطلاق لفظ قریہ کا شائع ہے کلام اللہ میں اوپر شہر کے۔

قال الله تعالى: لولا أنزل هذا القرآن على رجل من القريتين يعني مكة والطائف. قال الله تعالى: واسأل القرية التي كنا فيها، أي المصر.

پہلی آیت میں لفظ قریتین کو شہر مکہ اور شہر طائف پر اطلاق کیا گیا اور دوسری آیت میں قریہ سے مراد شہر مصر ہے اسی طرح جواثا (کو) قریہ کہا گیا ہے۔

وحكى ابن الطين عن الشيخ أبي الحسن أنها مدينة وقال أبو عبيد البكري هي مدينة.

یعنی بیان کیا ابن طین اور ابوعبید نے کہ جواثا شہر ہے۔

قال في الكبيري: ما في الصحاح جواثا حصن بالبحرين فيكون مصرا على ما نقل تفسير المصر عن إمامنا الهمام أعني الإمام محمد أن كله موضوع مقرة الإمام فهو مصر حتى أنه لو بعث إلى قرية نائبا لإقامة الحدود والقصاص تصير مصرا فإذا عزله تلحق بالقرىٰ.

یعنی تحقیق جو مکان مسکن امام کا ہو پس وہی شہر ہے یہاں تک کہ اگر بھیجے طرف کسی

گاؤں کے نائب واسطے قائم کرنے حدود اور قصاص کے ہو جاوے گا وہ شہر اور بات معزول ہونے نائب کے مل جاوے گا قریوں سے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

شرط دوسری

یہ ہے کہ ہو امام جمعہ کا سلطان یا جس شخص کو سلطان نے اذن دیا ہو۔

قال: فمن تركها وله إمام عادل أو جائر فلا جمع الله شمله ولا بارك له في أمره. رواه ابن ماجه

یعنی بددعا کی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر کہ جو باوجود ہونے سلطان کے جمعہ کو ترک کرے۔

اگرچہ یہ حدیث باعتبار سند کے ضعیف ہے لیکن قول حسن بصری وغیرہ کا دور کرتا ہے ضعف اس کے کو۔ کما لا یخفي

وقال الحسن البصري: أربع إلى السلطان وذكر بينها الجمعة.

یعنی کہا حسن بصری نے چار چیزیں طرف سلطان کے ہیں پس ذکر کیا ان میں سے جمعہ کو۔

وقال حبيب بن أبي ثابت لا تكون الجمعة إلا بأمير وهو قول الأوزاعي أيضا.

اور کہا حبیب نے نہیں ہوتا جمعہ بدوں امیر کے اور یہی قول اوزاعی کا ہے۔

وقال ابن المنذر: مضت السنة الذي يقيم الجمعة السلطان أو من بها أمره، فإذا لم يكن ذلك صلوا الظهر.

اور کہنا ابن منذر نے گزری ہے سنت اس پر کہ قائم کرے جمعہ کو بادشاہ یا نائب اس کا ورنہ پڑھا جاوے ظہر کو۔

وعلى هذا كان السلف من الصحابة ومن بعدهم حتى أن عليا إنما جمع أيام محاصرة عثمان بأمره.

اور اوپر اسی کے تھے سلف یعنی صحابہ اور تابعین حتی کہ نہ پڑھایا جمعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایام محاصرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں مگر ساتھ اذن ان کے کے۔

كذا في الكبيري

وذكر في الرسالة التي ألفت به بخارى بعد ذكر محاصرة عثمان وشاجروا في ذلك بأدلّة قوية وأقروا جمعية مذهب علي رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ وتركوا الجمعات إلى أن أطفى الله ثائرة فتنتهم.

یعنی بعد مناظرہ کرنے کی مقرر ہوئے اوپر حق ہونے مذہب علی رضی اللہ عنہ کے اور ترک کر دیا جمعوں کو تا فرو ہونے آگ فتنہ کے۔

شرط تیسری

وقت جمعہ کا وقت ظہر کا ہے۔

عن أنس: كان عليه السلام يصلي الجمعة حين تميل الشمس. رواه البخاري. وفي مسلم عن سلمة: كنا نجمع مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا زالت الشمس.

یعنی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے جمعہ کو بعد دوپہر کے۔

روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔

وفي الكبيري: وهو المتوارث من لدن النبي صلى الله

عليا وسلم إلى يومنا هذا وهو قول الجمهور من الصحابة والتابعين فمن بعدهم.

یعنی اسی طرح عمل ہے اہلِ اسلام کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک اور یہی ہے قول جمہور صحابہؓ اور تابعین وغیرہ کا۔

شرط چوتھی

شرط چوتھی خطبہ ہے۔

قال في الكبيري: وعليه الجمهور خلافا للإمامية فإنه لم يرو أنه عليه السلام أو أحد من الخلفاء الراشدين فمن بعدهم ضلاها بدونها فهي من الخصوصيات التي لم يرو إسقاط الركعتين إلا مع مراعاتها فكانت شرطا.

یعنی خطبہ کا شرط ہونا مسلّم ہے سب علماء اہل سنت والجماعۃ کو اور شیعوں کے نزدیک شرط نہیں اور دلیل ہماری یہ ہے کہ نہیں روایت کیا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ خلفاء راشدین اور تابعین سے ہے اپنا جمعہ کا بدوں خطبہ کے۔

شرط پانچویں

شرط پانچویں جماعت ہے۔ یعنی بدوں جماعت کے جمعہ درست نہیں ہوتا۔

قال الله تعالى: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [الجمعة: ۹]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جس وقت کہ پکارا جاوے واسطے نماز کے جمعہ کے دن، پس شتابی کرو طرف یادِ خدا کے اور چھوڑ دو سودا کرنا۔ یہ بہتر ہے واسطے

تمھارے اگر ہو تم جانتے ہو۔

اور اس آیت سے سمجھا جاتا ہے ہونا تین آدمیوں کا بغیر امام کے کیونکہ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ بعد اذان کے لوگوں کو جانا چاہیے طرف ذکرِ خدا کے۔ پس بمقتضیٰ جمعیت "فاسعوا" کے چاہیے کہ سعی کرنے والے کم نہ ہوں تین سے۔ پس جب کم سے کم تین شخص پر بعد اذان کے سعی کرنی لازم ہوئی، پس ہو گئی مؤذن سے مل کر چار شخص۔ پس بموجب آیت کے جمعہ درست نہیں ہوتا بدوں چار شخصوں کے۔ یہی ہے مذہب امام اعظم کا۔

قال في الكبيري بما حاصله أن الجماعة مدلول صيغة الجمع لقوله تعالى: فاسعوا، فإنّه طلب الحضور متعلقا بلفظ الجمع إلى ذكر يستلزم ذاكرا فلزم أن الشرط أن يكون مع الإمام جمع.

شرط چھٹی

اذنِ عام یعنی جمعہ ایسے مقام پر پڑھنا درست ہے کہ جہاں کسی کو روک نہ ہو۔

قال في الكبيري: لأنها شرعت بخصوصيات لا تجوز بدونها والإذن العام والأداء على سبيل الشهرة من جملة تلك الخصوصيات فلا تجوز بدونه.

یعنی جمعہ نہیں پڑھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ اور تابعین وغیرہ نے بغیر اذنِ عام کے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

مسئلہ قربانی

قربانی میں مسنہ کوذبح کرنا چاہیے۔

عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن. رواه مسلم

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ذبح کرو مگر مسنہ کو مگر یہ کہ نہ پاؤ تم پس ذبح کرو جذعہ دنبہ یا بھیڑ سے۔روایت کیا اس کو مسلم نے۔

فائدہ:

لکھا ہے ملا علی قاری نے "ثنی" اونٹوں میں سے پانچ سال کا ہوتا ہے اور گائے میں سے دو سال اور بکری میں سے ایک سال کا اور یہ معنٰی موافق تجربہ کے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اونٹ بعد پانچ برس کے دو دانت نکالتا ہے اور گائے بعد دو سال کے دانت نکالتی ہے اور بکری بعد ایک سال کے دو دانت ہوتی ہے۔

اور ترمذی میں لکھا ہے کہ کہا وکیع نے کہ جذعہ بھیڑ میں سے وہ ہے جو کہ سات مہینے یا چھ کا ہو۔

مسئلہ

درست نہیں ہوتی قربانی بکری کی مگر اکیلے سے جیسا کہ دلالت کرتا ہے بیان کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گائے اور اونٹ میں شرکت سات شخص کو اور قول ابوایوب رضی اللہ عنہ کا کہ:

"قربانی کیا کرتے تھے ہم ساتھ ایک بکری کے اور تھا مرد قربانی کرتا ساتھ ایک

بکری کے اپنی طرف سے اور اپنے گھر کے لوگوں کی طرف سے۔"

سو مراد اس سے قربانی نفلی ہوگی جیسا کہ حدیث میں ذکر قربانی کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جمیع امّت سے اس قبیل سے ہے ورنہ کسی پر قربانی کرنی لازم بلکہ سنت بھی نہ ہوتی۔وھو کما تری

عن أبي هريرة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان له سعة ولم يضحّ فلا يقربن مصلانا.

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو وسعت ہو اور قربانی نہ کرے پس نہ نزدیک آوے ہماری عید گاہ کے۔

روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

وعن مخنف بن سليم قال: كنا وقوفا عند النبي صلى الله عليه وسلم بعرفات فسمعته يقول: يا أيها الناس على كل أهل بيت في كل عام أضحية. رواه أبو داود والنسائي

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو! اوپر ہر گھر والے کے بیچ ہر سال کے قربانی ہے۔روایت کیا اس کو ابوداؤداور نسائی وغیرہ نے۔

مسئلہ اعتکاف

اعتکاف اگر عشرہ اخیرہ رمضان کا موافق سنّت کرنا ہو تو چاہیے کہ اکیسویں شب سے اعتکاف میں بیٹھے جیسا کہ دلالت کرتی ہے اس پر حدیث بخاری کی:

عن عائشة في آخر حديث طويل: فلما أصبح النبي صلى الله عليه وسلم رأى الأخبية فترك الاعتكاف ذلك الشهر ثم اعتكف عشرا من شوال. رواه البخاري

یعنی جب فجر کو دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی حجرے بوریوں کے جو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے واسطے اعتکاف کے مسجد میں بنائے تھے، ترک کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کو، پھر اعتکاف کیا ایک عشرہ کا شوال میں۔

فائدہ:

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف رات سے شروع کر چکے تھے لیکن بسبب دیکھنے حجرات مطہرات کے اعتکاف کو ترک کر دیا اور عوض اس کے شوال میں اعتکاف کیا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

تنبیہ

جن احادیث کو امامِ اعظم نے سند پکڑا ہے وہ سب صحیح ہے کیونکہ رواۃ مابین امام اعظم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین ہیں جن کے افضل ہونے پر یہ حدیث دال ہے:

خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم.

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر زمانوں کا زمانہ میرا ہے، پھر ان لوگوں کا زمانہ بہتر ہے جو صحابہ کے بعد ہوں گے یعنی تابعین اور ان کے بعد زمانہ تبع تابعین کا بہتر ہے۔

قال الشعراني في الميزان الكبرى: فإن قيل: إذا قلتم بأن أدلة مذهب الامام أبي حنيفة ليس فيها شيء ضعيف لسلامة الرواة بينه وبين رسول الله من الصحابة والتابعين من الجرح فما جوابكم عن قول بعض الحفاظ عن شيء من أدلة الامام أبي حنيفة بأنه ضعيف فالجواب يجب علينا حمل ذلك جزما على الرواة النازلين عن الإمام في السند بعد موته إذا رووا ذلك الحديث من طريق غير طريق الإمام؛ إذ كل حديث وجدناه في مسانيد الإمام فهو صحيح لأنه لولا صح عنده ما استدل به ولا يقدح فيه وجود كذاب أو متهم بكذب مثلا في سنده النازل عن الإمام وكفانا صحةَ الحديث استدلال مجتهد به ثم يجب علينا العمل به ولو لم يروه غيره.

فتأمل هذه الدقيقه التي نبهتك عليها فلعلك لا تجدها في كلام أحد من المحدثين وإياك أن تبادر إلى تضعيف شيء من ادلة مذهب الإمام أبي حنيفة إلا بعد أن تطالع مسانيدها الثلاثة ولم تجد ذلك الحديث فيها. انتهى مع

بعض اختصار

خلاصہ مطلب امام شعرانی کے کلام کا یہ ہے کہ جن احادیث کو امام اعظم نے سند پکڑا ہے ان میں کوئی حدیث ضعیف نہیں کیونکہ رواۃ امام اعظم کے صحابہ اور تابعین ہیں جو بچے ہوئے ہیں جرح سے اور ضعیف ہونا حدیث کا بعد امام کے باعتبار کسی اور سند کے، امام کی سند کو ضرر نہیں دیتا۔

فائدہ:

چونکہ اس زمانہ میں کوئی حدیث بسبب نہ پائے جانے شروط رواۃ کے قابلِ استدلال نہیں پس پایا جانا مجتہد مستقل کا اس وقت میں محال ہے۔

اگر کوئی کہے اس زمانے میں مجتہد کو سند پہنچانی حدیث کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک موافق شروع کے ضرور نہیں بخلاف ائمہ اربعہ کے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس امر کو کسی آیت یا حدیث سے ثابت کرو ورنہ اس عقیدے سے باز آؤ اور نظام الاسلام میں لکھا ہے کہ یہ چھ کتابیں جنھیں صحاحِ ستہ کہتے ہیں ان کے سوا اور بہت سی کتابیں حدیث کی معتبر ہیں جیسے مسند امام ابو حنیفہ اور موطا امام محمد اور حجت امام محمد اور آثار امام محمد اور رزین اور طحاوی اور طبرانی وغیرہ اور اس قدر جاننا بہت ضروری ہے کہ صحاحِ ستہ کی سب حدیثیں صحیح نہیں ہیں بلکہ ان میں حدیثیں ضعیف اور معلول بھی ہیں جیسا کہ شیخ عبد الحق ((نے)) شرح مشکوٰۃ فارسی کے مقدمہ میں اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے اور دعویٰ مقدم ہونا حدیث بخاری اور مسلم کا اوپر باقی حدیث کے باطل ہے جیسا کہ بیان کیا اس کو ابن ہمام نے فتح القدیر میں۔

اور غیر مقلد جو مدّعی اس امر کے ہیں جب بخاری اور مسلم کی حدیث مخالف اپنے مطلب کے پاتے ہیں شتر مرغ کی طرح طرح دے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث مسلم کی "إذا قرأ فأنصتوا" کو جو دال ہے اوپر منع ہونے قراءۃ خلف امام کے نہیں مانتے اور عمل کرتے

ہیں حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ پر جو مکحول سے مروی ہے اور صحیحین میں نہیں ہے اور مخالف ہے مسلم کے بلکہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ روایت زہری کی رد کرتی ہے روایت مکحول کو کیونکہ روایتِ زہری میں نہیں ہے لفظ "لا تفعلوا إلا بأم القرآن" کا اور روایت زہری کو ترمذی نے اصح لکھا ہے مکحول کی روایت سے کیونکہ محمد بن اسحاق جو راوی ہے مکحول سے اس کو بعضوں نے شیعہ کہا ہے۔

قال في تقريب التهذيب: محمد بن اسحاق رمي بالتشيع والقدر.

اور کہا سفیان نے جو روایت کرتا ہے زہری کی حدیث کو کہ حدیث "لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب" کی اس شخص کے حق میں ہے جو اکیلا نماز ادا کرے۔

ذكر أبو داود بعد هذا الحديث قال أبو سفيان: لمن يصلى وحده.

یعنی ذکر کیا ابو داؤد نے بعد روایت حدیث سفیان کے کہ کہا سفیان نے کہ یہ حدیث اس شخص کے حق میں وارد ہے کہ جو اکیلا نماز ادا کرتا ہو یعنی پیچھے امام کے نہ ہو۔

پس عمل کرنا غیر مقلد کا باوجود دعویٰ مذکور کے ایسی حدیث ضعیف پر کہ جس کا راوی مطعون ساتھ رفض کے ہو اور مخالف ہو آیت قرآنی کے، قال الله تعالى:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ ... الآية﴾ [الأعراف: ٢٠٤]

اور حدیث مسلم وغیرہ کی جہالت سے خالی نہیں۔ اس پر قیاس کرنا چاہیے باقی تمسکات ان کے کا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

لما فرغت من تسويد هذه الأوراق ألقي إلىّ الكتاب الكريم بفضله العميم أعني الرسالة المفيدة والعجالة العجيبة المسماة بـ "الدليل القوي على ترك القراءة للمقتدي" للفاضل النحرير الذي هو أشهر المشاهير وأفضل من الجماهير رأس العلماء العاملين وسند الفقهاء والمحدثين مولانا الحافظ الحاج الشهير بالمولوي أحمد علي السهارنپورى فألحقت عنها نبذا من تحقيقاتها مترجما بالهندية تسهيلا مع كمال اختصار وزيادة. فأقول وبالله التوفيق:

لکھاہے مولوی احمد علی صاحب سلمہ اللہ نے بیچ رسالہ اپنے کے کہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب " یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پڑھا کرو تم پیچھے میرے مگر سورۂ فاتحہ، صحیح نہیں کیونکہ سند اس حدیث میں محمد بن اسحاق واقع ہے اور اس کو تقریب التہذیب میں "مدلّس ورمي بالتشيع والقدر" لکھا ہے یعنی مدلس اور مطعون ساتھ رافضی اور قدریہ ہونے کے تھا اور ایک روایت میں نافع بن محمود واقع ہے اور وہ مستور الحال ہے یعنی اس کے نیک اور بد ہونے کا کچھ علم نہیں۔

اور کہا یحییٰ بن معین نے جو نقّادِ حدیث سے ہے کہ لفظ "إلا بأم القرآن" کا سنت معتبر سے ثابت نہیں۔ اسی واسطے ترمذی نے اس حدیث پر دوسری حدیث کو جو بغیر اس لفظ کے ہے ترجیح دے کر اَصح لکھا ہے اور بخاری میں بھی یہ حدیث بسبب ضعف کے نہیں

داخل کی گئی اور تصریح کی ہے زیلعی نے کہ ضعیف کہا ہے حدیث عبادہ کو امام احمد اور بہت محدثین نے۔ پس قول دار قطنی اور خطابی کا کہ اسناد اس حدیث کی جید ہے دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ حدیث صحیح نزدیک محدثین کے وہ ہے:

ماااتصل إسناده بنقل العدل الضابط عن مثله وسلم عن شذوذ وعلة.

یعنی جس حدیث کے روات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نیک بخت اور ضابطہ ہوں اور سالم ہو وہ شذوذ اور علت سے۔

چونکہ راوی اس حدیث کا محمد بن اسحاق بموجب تحقیق صدر کے مطعون تھا ساتھ رفض وغیرہ کے پس صحیح اور جید الاسناد ہونا محالات سے ہے اور دوسری حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی "لا صلاة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب" یعنی نہیں ہوتی نماز اس شخص کی کہ نہ پڑھے سورہ فاتحہ کو، اگرچہ صحیح ہے لیکن مراد اس سے اکیلا ہے یعنی جو پیچھے امام کے نہ ہو۔

قال سفيان: لمن يصلي وحده.

کہا سفیان نے کہ یہ واسطے اس شخص کے ہے کہ پڑھے اکیلا۔

روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

قال الامام أحمد: معنى قول النبي صلى الله عليه وسلّم: لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب إذا كان وحده.

یعنی کہا امام احمد نے کہ مراد حدیث لاصلاۃ سے یہ ہے کہ جو شخص اکیلا ہو یعنی پیچھے امام کے نہ ہو اس کو سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضرور ہے۔

فائدہ

یہی مراد ہے جابر رضی اللہ عنہ کے قول سے جو ترمذی میں مروی ہے اور یہ تاویل اس واسطے کی گئی ہے کہ تا مخالف نہ ہو یہ حدیث قرآن اور باقی احادیث کے۔

قال الله تعالى: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ [الأعراف: ٢٠٤]

یعنی جب پڑھا جائے قرآن سنو تم اس کو اور چپکے رہو شاید کہ رحم کیے جاؤ تم۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا كبر فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا.

یعنی جب تکبیر کہے امام تکبیر کہو تم اور جب پڑھنے لگے چپ ہو جاؤ۔

روایت کیا اس کو مسلم نے۔

قال أحمد بن منيع: أخبرنا إسحاق الأرزق حدثنا سفيان وشريك عن موسى بن أبي عائشة عن عبد الله بن شداد عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة.

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پڑھنا امام کا پڑھنا مقتدی کا ہے۔

اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اوپر شرط بخاری اور مسلم کے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحقّهم بالإمامة أقرءهم.

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق دار زیادہ امامت کا اچھا پڑھنے والا ہے۔

روایت کیا اس کو مسلم نے۔

فائدہ

یہ حدیث صاف دال ہے اس پر کہ بغیر امام کے اور کو منصب قراءت کا نہیں جیسا کہ دلالت کرتا ہے اس پر لفظ "أقرءھم" کا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا كبر فكبروا وإذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضآلين فقولوا آمين. رواه مسلم

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تکبیر کہے امام تکبیر کہو تم اور جب کہے امام غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین کہو تم آمین۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

فائدہ:

اس حدیث سے صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ قراءت بلکہ سورہ فاتحہ بغیر امام کے کسی مقتدی کو پڑھنا درست نہیں ورنہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے "جبکہ کہے امام غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین پس کہو تم غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین"۔

اور مراد آیت "فاقرؤوا ما تيسّر من القرآن" سے عام ہے یعنی پڑھنا کلام اللہ کا ضرور ہے، حقیقۃً ہو جیسا کہ امام اور منفرد کا یا حکماً جیسا کہ مقتدی کا حال ہے کیونکہ پڑھنا امام کا گویا پڑھنا مقتدی کا ہے۔

والتيسر يؤيده، هذا قال ابن الهمام في فتح القدير، فلو قرأ المقتدي مع هذا لكان له قراءه ثانية في صلاة واحدة وهو غير مشروع.

یعنی اگر پڑھے مقتدی پیچھے امام کے ایک نماز میں (تو) دو قراءت پائی جاویں گی

اور یہ امر شرعاً درست نہیں۔

وفي المغني: ذكر الشيخ الإمام عبد الله بن يعقوب عن عبد الله بن زيد بن أسلم عن أبيه قال: كان عشرة من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ينهون عن القراءة خلف الإمام أشد النهي: أبو بكر صديق وعمر الفاروق وعثمان بن عفان وعلي بن أبي طالب وعبد الرحمن بن عوف وسعد بن أبي وقاص وعبد الله بن مسعود وزيد بن ثابت وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عباس وقال الشيخ العابد السندهي: المهاجر في شرح المسند لما ثبت نهي العشرة المذكورة ولم يثبت رد أحد عليهم عند تواتر الصحابة كان إجماعا سكوتيا.

یعنی جب ثابت ہوا سخت منع کرنا صحابہ کبار کا قراءۃ خلف امام سے اور نہ رد کیا باقی صحابہ نے قول ان کا تو ہوا یہ اجماع اوپر منع قراءت کے۔

وعن موسى بن عقبة أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبا بكر وعمر وعثمان كانوا ينهون عن القراءة خلف الإمام.

یعنی تھے آنحضرت ﷺ اور تینوں خلفاء منع کرتے تھے مقتدی کو قراءت سے۔

روایت کیا ہے اس حدیث کو عبدالرزاق نے بیچ کتاب اپنی کے۔

وعن علي رضي الله عنه: من قرأ خلف الإمام فليس على الفطرة.

یعنی کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس نے پڑھا پیچھے امام کے پس نہیں ہے وہ شخص اوپر دین کے۔

عن ابراهيم قال: الذي يقرأ خلف الإمام فاسق.

یعنی کہا ابراہیم نے کہ جو شخص پڑھے پیچھے امام کے فاسق ہے۔

روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے بیچ کتاب اپنی کے جو نام اس کا "مصنف" ہے۔

قال محمد: لا أعلم القراءة خلف الإمام من السنة.

یعنی نہیں ہے قراءت خلف امام سنّت سے۔ روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے۔

اگر بالفرض حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو صحیح قرار دے کر معارضہ کیا جائے ساتھ حدیث "من كان له إمام" کے تو بھی حدیث منع قراءت کو ترجیح ہے کیونکہ حکم ایسے معارضہ کا یہ ہے:

حكم المعارضة بين السنتين المصير إلى أقوال الصحابة.

یعنی جو معارضہ درمیان دو حدیثوں کے واقع حکم اس کا یہ ہے کہ رجوع کیا جائے طرف اقوالِ صحابہؓ کے۔

یعنی جس حدیث کو اقوال صحابہ کے مؤیّد ہوں اس حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔ پس اقوالِ خلفاءِ راشدین وعبادلہ ثلاثہ وزید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ مذکورۃ الصدر حجت قوی اور آئینہ ہے واسطے مرادِ شارع کے ورنہ یہ بات ممکن نہیں کہ اصحابِ کبار رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے منحرف ہو کر عمل درآمد کرتے رہے ہوں۔ پس جب قرآن اور حدیث اور اقوالِ صحابہ سے ثابت ہوا کہ قراءت خلف الامام درست نہیں پس اب اہلِ حق کو بجز تسلیم اور انقیاد کے محل دم مارنے کا نہیں ہے۔ فظهر الحق، الحق يعلو ولا يعلى، والله تعالى أعلم

جوابِ اشتہار غیر مقلّدین

تلك عشرة كاملة

اگرچہ جواب مسائل مشتہرہ کا علی وجہ التضمن بخوبی ذکر ہو چکا ہے، چونکہ جواب علی وجہ التخصیص متضمن چند فوائد کو تھا لہٰذا صراحتاً اس کا جواب لکھا جاتا ہے۔

حسبي الله نعم الوكيل ونعم النصير

قال اللاہوری:

”میں محمد حسین مولوی عبدالعزیز صاحب و مولوی محمد صاحب و مولوی اسمٰعیل صاحب ساکنان بلیہ وال وغیرہ اور علمائے عرب و عجم کو بطور اشتہار کے وعدہ دیتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب مسائلِ ذیل میں کوئی آیت یا حدیث صحیح جس کی صحت میں کسی کو کلام نہ ہو اور واسطے اس مسئلہ کے نصِ صریح قطعی الدلالۃ ہو پیش کریں تو ہر آیت اور حدیث کے بدلے دس دس روپیہ بطور انعام دوں گا۔ انتہی ملخصًا“

اقول وباللہ التوفیق:

اگرچہ قائل بظاہر مستفتی اور سائل از روئے لغت معلوم ہوتا ہے لیکن بعد تعمیقِ نظر کے مبرہن ہوتا ہے کہ در پردہ مدّعی ہے امورِ مفصّل ذیل کا:

پہلا: مسائل مفصّل ذیل میں قیاس اور اجماع سے دلیل نہ پکڑی جاوے۔

دوسرا: حدیث مختلف الصحت سے بھی دلیل پکڑنی مفید نہیں۔

تیسرا: غیر قطعی الدلالۃ بھی قابل استدلال نہیں۔

چونکہ یہ دعاوی مخالف علماء اہلِ سنّت والجماعت کے ہیں لہٰذا اوّلاً قائل کو چاہیے کہ بیان کرے کہ امورِ مذکورہ میں ناقل ہے یا مدّعی؟

قال فی الرشیدیة: الواجب علی السائل أن یطلب أوّلاً ما أمكنه من تعریف مفردات المدّعی وتعیین البحث وتمییزه عن سائر الأحوال كما إذا ادعی أنّ النیة لیست بشرط في الوضوء فللسائل أن یقول عدم شرطیة النیة بأيّ مذهب وأيّ قول؟ انتهی ملخصا

اگر سوال کرے کہ میں مدّعی نہیں ہوں بلکہ میں سائل ہوں تو جواب اس کا یہ ہے کہ سائل باعتبار اصطلاحِ نظّار کے وہ شخص ہے کہ جو مدّعی کے مقابلہ پر کمر بستہ ہو۔

قال فی الرشیدیة: والسائل من نصب نفسه لنفی الحكم.

یعنی سائل علم مناظرہ میں اس کو کہتے ہیں کہ جو قائم کرے اپنے آپ کو واسطے نفی اس حکم کے جو مدّعی نے بیان کیا ہو۔

جیسا کہ قائل کا مدّعی ہونا باعتبار امورِ ثلاثہ مذکور کے ثابت ہو چکا پس سائل اصطلاحاً وہ ہو گا جو امورِ مذکورہ کی نفی پر کمرِ ہمت باندھ کر میدانِ گفتگو میں قدم زن ہو لیکن قائل نے باوجود دعاوی مذکورہ کے بعد ورود اعتراضات کے سائل کہلانا کمال درجہ کی شتر مرغی اور حیلہ رُوبہی پر دال ہے۔

اگر قائل کہے کہ اگرچہ کلام میرا متضمن دعاوی مذکورہ کے ہے لیکن صراحةً میں کسی اور کا مدّعی نہیں ہوں تو جواب اس کا یہ ہے کہ دعاوی ضمنیہ کے باعتبار بھی مدّعی قرار دیا جاتا ہے۔

قال في الرشیدیة: التعریف الحقیقي لاشتماله علی دعاوي ضمنیة وهي أن هذا المذكور حد والجزء الاول جنس والثاني فصل له یمنع بأن یقال: لا نسلّم أنه حد وینقض

ببيان الاختلال في طرده. انتهى ملخصا

اور بعد تعیین مدّعیٰ کے طلب کی جاوے گی مدّعی سے دلیل۔

قال في الرشيدي: يلتزم الخصم البيان بعد الاستفسار ويؤاخذ بتصحيح النقل إن نقل شيئا وبالتنبيه أو الدليل إن ادعى بديهيا خفيا أو نظريا مجهولا. انتهى

اور بعد قائم کرنے دلائل کے لازم ہوگا جواب اعتراضات کا جو اس کے دلائل پر وارد کیے جاویں۔

قال في الرشيدية: فإذا أقام المدعي الدليل تمنع مقدمته مع السند أو مجردا عنه فيجاب بإبطال السند وباثبات المقدمة الممنوعة. انتهى ملخصا. فإذا تحقق هذا فلا بد للقائل أن يسلك هذا المسلك الذي هو من شان العلماء وإلا فهو من آثار الجهال الذين قال الله تعالى في شانهم: إذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما.

یعنی اگر قائل کو بموجب عالمِ مناظرہ کے عالمانہ گفتگو منظور نہ ہے تو بدوں دستور العلم بنانے طریق مزبور کے میدانِ تقریر یا تحریر میں قدم زن نہ ہو ورنہ جاہلانہ گفتگو شانِ علماء سے بعید ہے۔ لہٰذا قائل کو فہمائش کی جاتی ہے کہ اول امورِ مذکورہ کو موافق قیودِ مندرجہ اشتہار اپنے کے طے کرے۔ لأن المرء يؤخذ بإقراره.

بعدہٗ جوابات مسائلِ مندرجہ اشتہار کے بلا خرچ مبالغ پاوے گا کیونکہ جمیع انبیاء ابلاغ دین کا واسطے اجر اخروی کے کرتے رہیں نہ واسطے لینے دس بیس روپیہ کے۔

قال الله تعالى حكاية عن نوح عليه السلام: ويا قوم لا أسألكم عليه مالا، إن أجري إلا على الله.

یعنی اے قوم میری! نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اس کے کچھ مال۔ نہیں بدلا میرا مگر اوپر اللہ کے۔

فائدہ:

بموجب اسی آیت کے علماء حقانی وفضلاء ربانی جو نیابتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہیں عمل کرتے ہیں لیکن قائل کو اگر ہم واسطے تالیفِ قلوب یہ وعدہ مبالغ کا دے کر تحقیقِ دین میں مصروف کریں تو شرعاً منع نہیں کیونکہ قائل اور اکثر بانی مبانی فرقہ جدیدہ کے قدیمی مسلمان نہیں۔ پس داخل ہوئے یہ لوگ مؤلفۃ القلوب میں۔ قال الله تعالى:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ ... الآية﴾ [التوبة: ٦٠]

یعنی سوائے اس کے نہیں کہ خیرات واسطے فقیروں کے اور محتاجوں کے اور کام کرنے والے اوپر تحصیل اس کے لیے اور جن کو کہ الفت دلائی جاتے ہیں دل ان کے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم

کوئی صاحب اس تحریر کو پہلو تہی کرنا ہمارا جوابات مسائلِ مفصلہ اشتہار سے وہم نہ کرے کیونکہ اگر مستفتی دعویٰ امور مذکورہ کا نہ کرتا اور استفتا صرف واسطے طلب دلائل مسائل کے پیش کرتا تو ہم فوراً اس کے جواب میں یوں تحریر کرتے:

سوال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا باری تعالیٰ (نے) ((کا)) کسی شخص پر کسی امام کے ائمہ

اربعہ سے تقلید کو واجب کرنا۔

جواب

اقول وباللہ التوفیق: جیسا کہ فرضیت نماز روزہ وغیرہ کی آیات اور احادیث سے ہر فردِ مکلف پر ثابت ہے حالانکہ کوئی آیت یا حدیث ایسی وارد نہیں کہ جس میں مولوی نذیر حسین صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب وغیرہ کو نام بنام ایمان اور نماز روزہ وغیرہ کا حکم کیا ہو اسی طرح تقلید ایک امام کی ائمہ اربعہ سے آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔

قال الله تعالى: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء: ٥٩]

یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اولی الامر کی۔

فائدہ:

مراد اولی الامر سے اگر بموجب قول غیر مقلدین کے حکّام اہلِ اسلام کے لیے جاویں تو بھی یہ آیت اوپر فرضیتِ تقلید کے دلیلِ قاطع ہے کیونکہ حکم حکامِ اہلِ اسلام کا قدیم الزمان سے واسطے تقلیدِ مذہب معین کے نافذ اور منکرین تقلید پر تعزیر جاری ہے۔

قال عليه السلام: الدين النصيحة. قلنا لمن؟ قال لله ولكتابه ولرسوله ولائمة المسلمين وعامتهم. رواه مسلم

فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمام دین خیر خواہی ہے۔ عرض کیا ہم نے کس کی؟ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر خواہی اللہ کی یعنی خدا تعالیٰ پر ایمان لانا اور خیر خواہی قرآن کی یعنی قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان لانا اور تعظیم کرنا قرآن کی اسی واسطے باریک خط کا کلام اللہ دیکھ کر مارا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور فرمایا "عظّموا كتاب الله"

اور جب دیکھتے حضرت عمرؓ بڑا قرآن تو بہت خوش ہوتے۔ روایت کیا اس کو ابو عبید نے۔

وأخرج عن الضحاك قال: لا تتخذوا للحديث كراسيّ ككراسيّ المصحف.

یعنی ضحاک سے روایت کیا گیا ہے کہ نہ پکڑو واسطے حدیث کے رحلیں مثل قرآن کے۔

یہ سب تفسیر اتقان میں امام سیوطی نے لکھا ہے اور خیر خواہی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یعنی ایمان لانا رسولِ خدا پر اور فرمانبرداری ان کی اور خیر خواہی ائمہ مسلمین کی یعنی ان کی اطاعت کرنی اور خیر خواہی عام اہلِ اسلام کی یعنی جس میں عام اہلِ اسلام کا فائدہ متصور ہو، اس کو اختیار کرنا۔

فائدہ:

اب حضرات غیر مقلدین کی خدمت میں عرض رسا ہوں کہ جب تقلیدِ مذہبِ معین میں اطاعت خدائے تعالیٰ اور قرآن مجید اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہل اسلام مع خیر خواہی عامہ اہل اسلام کے موجود ہے تو ہر تقلید پر طعن کرنا گویا اس حدیث عظیم الشان کا منکر ہونا ہے۔ گزر چکی باقی تحقیق اس کی بیچ صفحہ ۲۸ کے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

سوال

عام مسلمانوں کا ایمان اور پیغمبروں اور جبرئیل کا مساوی ہونا۔

جواب

برابر ہونا ایمان عوام اہلِ اسلام اور انبیاء اور ملائکہ کا من کل الوجوہ کسی اہلِ اسلام سے ثابت نہیں البتہ مشارکت باعتبار بعض وجوہ کے قرآن سے ثابت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ﴾ [البقرة: ۱۳]

یعنی ایمان لاؤ جیسا کہ ایمان لائے ہیں لوگ۔

یعنی جیسا رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب ایمان لائے ہیں۔

قال في البيضاوي: أو للعهد والمراد الرسول ومن معه.

یعنی تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ بموجب ایک تاویل کے کما آمن الناس سے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب مراد ہیں۔

فائدہ:

پس منکر مشابہت مذکورہ کا مخالف ہے قرآن کے، اسی واسطے فرمایا امامِ اعظم نے:

إيماني كإيمان جبرئيل ولا أقول مثل إيمان جبرئيل لأن المثلية تقتضي المساواة في كل الصفات والتشبيه لا يقتضى بل يكفى لإطلاقه المساواة في بعضه فلا أحد يساوي بين إيمان آحاد الناس وإيمان الملائكة والأنبياء عليهم السلام من كل وجه. هكذا وجدت في شرح الفقه الأكبر للقاري

یعنی ایمان میرا مشابہ ہے ایمانِ جبرئیل کے اور نہیں کہتا ہوں میں کہ ایمان میرا مثل ایمان جبرئیل کے ہے کیونکہ مثلیت مقتضی ہے مساوات کو ہر صفت میں اور مشابہت کو کافی ہے مساوات بعض صفات کی۔ مثلاً زید کالاسد کہنا یعنی زید شیر جیسا ہے بسبب صفت شجاعتِ مشترکہ کے درست ہے اور زید مثل الاسد کہنا ہرگز درست نہیں۔ اسی واسطے نہیں برابر ایمان عوام الناس اور فرشتوں اور پیغمبروں کا کسی کے نزدیک۔

تنبیہ

اور ایک ہونا "آمنت بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر والقدر

خیره وشره من الله تعالی والبعث بعد الموت" کا واسطے جمیع اہلِ اسلام کے دال ہے اوپر مشارکت مذکورہ کے اور آیت:

﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾ [البقرة: ۱۳۷]

یعنی اگر ایمان لائے وہ مثل ایمان لانے تمھارے کے ساتھ اللہ کے پس تحقیق ہدایت پائی انہوں نے۔

دلیل قاطع ہے اس مضمون پر۔ فما ظنّ الجاهلون علی الامام فرية بلامرية. گزر چکی باقی تحقیق اس کی صفحہ ۶۹ میں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

سوال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیرِ ناف ہاتھ باندھنا۔

جواب

عن حجر قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة.

یعنی رکھا رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنا ہاتھ اوپر بائیں کے نماز میں نیچے ناف کے۔

روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے جو استاد ہیں امام بخاری اور مسلم کے اور یہ حدیث صحیح ہے اوپر شرطِ مسلم کے۔

عن أبي جحيفة: قال علي رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ: من سنّة الصلاة وضع الأيدي تحت السرة.

یعنی کہا علی رضی اللہ عنہ نے سنّت ہے نماز میں رکھنا ہاتھوں کا نیچے ناف کے۔

روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے اور اربابِ بصیرت پر ظاہر ہے کہ اس فعل کا لگاؤ

طرف خشوع کے زیادہ ہے بہ نسبت رکھنے ہاتھوں کے اوپر سینہ کے بایں طریق کہ پہنچایا جاوے ہاتھ داہنا بائیں کہنی تک اور بایاں داہنی تک جو اس وقت غیر مقلدین میں مروّج ہے کیونکہ اس فعل کا لگاؤ طرف مصارعت یعنی کشتی گری کے زیادہ ہے۔ پس مؤید ہوئی اس کو بھی آیت "وهم خاشعون" کی۔ گزر چکی باقی حدیثیں صفحہ ۸۰ میں جب کہ روایت ہوا یہ مسئلہ حدیث مرفوع اور قولِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سے جو بیچ حکم مرفوع کے ہے۔

عن سعد بن أبي وقاص قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلي: أنت مني بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لا نبي بعدي. متفق عليه

یعنی فرمایا رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہ تیری نسبت میرے سے ایسی ہے کہ جیسا ہارونؑ کی موسیٰؑ سے مگر یہ کہ نہیں پیغمبری بعد میرے کسی کو۔ روایت یا اس کو بخاری اور مسلم نے۔

پس طعن کرنے والے اس عمل پر بعد اس تحقیق کے سخت گمراہ ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

سوال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتدیوں کو سورہ فاتحہ پڑھنے سے منع کرنا۔

جواب

قال الله تعالى: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ [الأعراف: ٢٠٤]

فرمایا اللہ جلّ جلالہ نے جس وقت پڑھا جاوے قرآن پس سنو تم اس کو اور چپکے رہو تا کہ رحم کیے جاؤ تم۔

اور کہا امام احمد نے:

أجمع الناس على أن هذه الآيات نزلت في الصلاة.

یعنی اجماع کیا لوگوں نے اوپر اس بات کے کہ نزول اس آیت کا نماز کے بارے میں ہوا ہے۔

اسی واسطے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے:

إنما جعل الإمام ليؤتمّ به فإذا كبّر فكبّروا وإذا قرأ فأنصتوا.

یعنی بے شک کیا گیا ہے امام تاکہ تابعداری کی جاوے اس کی۔ پس جب تکبیر کہے امام تکبیر کہو تم اور جب پڑھنے لگے قرآن چپ رہو تم۔

روایت کیا اس کو مسلم نے اور کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے:

ليت في فم الذي يقرأ خلف الإمام حجرا.

یعنی کاش کہ پتھر ہوویں اس شخص کے منہ میں جو پڑھے پیچھے امام کے۔

روایت کیا اس کو امام محمد نے موطا میں۔

وفي المغني: كان عشرة من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ينهون عن القراءة خلف الإمام أشد النهي، أبو بكر الصديق وعمر الفاروق وعثمان بن عفان وعلي بن أبي طالب وعبد الرحمن بن عوف وسعد بن أبي وقاص وعبد الله بن مسعود وزيد بن ثابت وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عباس. ولم يثبت ردّ أحد عليهم فكان إجماعا. انتهى ملخصًا

یعنی یہ دس اصحاب کبار سخت منع کرتے تھے پڑھنے سے پیچھے امام کے اور کسی صحابی نے ان کا قول رد نہیں کیا۔ پس ہوا اصحابہؓ کا منع قراءت خلف امام پر۔

اور حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہ جو نصِ صریح ہے واسطے پڑھنے سورہ فاتحہ کے پیچھے امام کے باوجود مخالفتِ آیات اور احادیثِ قویہ کے ضعیف ہیں اکثر محدثین کے نزدیک۔ کیونکہ راوی اس کا محمد بن اسحاق عیبی کیا گیا ہے ساتھ رفض اور قدریہ ہونے کے۔

قال في التقريب: محمد بن اسحاق رمي بالتشيع والقدر.

پس طعن کرنے والے امام پر در پردہ منکر ہیں قرآن اور حدیث اور اقوالِ صحابہ کے۔

قال الله تعالى: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [الحشر: ۷]

اور گزر چکی باقی تحقیق اس کی صفحہ ۴۹ ((۸۲)) اور ۹۳ ((۱۷۹)) میں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

سوال

ظہر کا وقت دوسرے مثل کے اخیر تک باقی رہنا۔

جواب

عن أبي هريرة قال: صلّ الظهر إذا كان ظلّك مثلك والعصر إذا كان ظلّك مثليك.

"یعنی پڑھ ظہر کو جبکہ ہو جاوے سایہ تیرا ایک مثل اور پڑھ عصر کو جب کہ ہو جائے سایہ دو مثل۔" روایت کیا اس کو امام محمد نے موطا میں۔

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکم مرفوع میں ہے کیونکہ ایسا حکم صحابی اپنے عقل سے ہرگز نہیں بیان کرتے۔

فائدہ

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت بعد ایک مثل کے باقی رہتا ہے اور عصر کا

وقت دو مثل سے شروع ہوتا ہے۔ اور دو مثل تک باقی رہنے کی دلیل حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما لم تحضر العصر.

یعنی وقت ظہر کا باقی رہتا ہے جب تک کہ نہ آوے وقت عصر کا۔

فائدہ:

چونکہ وقت عصر کا بموجب حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد دو مثل کے شروع ہوتا ہے پس وقت ظہر کا بموجب حدیث عبداللہ بن عمرو کے دو مثل تک ثابت ہوا۔ وھو المدّعیٰ۔ بیان ہو چکی باقی احادیث صفحہ ۷۶ میں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

سوال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں خفیہ آمین کہنا۔

جواب

قال الله تعالى: ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ [الأعراف: ٥٥]

فرمایا اللہ جلّ شانہٗ نے دعا مانگو پروردگار اپنے سے عاجزی اور آہستگی سے۔

چونکہ آمین دعا ہے پس آہستہ کہنا اس کا بموجب اس آیت کے ثابت ہوا۔

فائدہ:

جب ثبوت مسئلہ شرعیہ کا قرآن سے ہو سکے تو پھر حدیث کی حاجت نہیں لیکن ایک دو حدیثیں واسطے تفہیم عوام کے بھی درج کی جاتی ہیں۔

عن وائل بن حجر قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم إذا قرأ ولا الضالين فقال آمين خفص بها صوته.

یعنی سنا میں نے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد پڑھنے ولا الضالین کے

آمین کو آہستہ کہا۔

روایت کیا اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے جو استاد ہیں بخاری اور مسلم کے اور سند اس حدیث کی صحیح ہے اوپر شرط بخاری اور مسلم کے۔

قال أبو وائل: لم يكن عمر وعلي يجهرون ببسم الله ولا بالتأمين.

یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بلند نہیں پڑھتے ہیں بسم اللہ کو اور آمین کو۔

روایت کیا اس کو طبرانی نے اور اسی طرح روایت کیا گیا ہے عبداللہ بن مسعودؓ سے اور آیت "وهم في صلاتهم خاشعون" بھی تائید دیتی ہے۔ كما لا يخفى على غير المتعصّب۔ گزر چکیں باقی حدیثیں اس کی صفحہ ۱۵۱ میں جب کہ ثابت ہوا آہستہ ہونا آمین کا آیت اور حدیث مرفوع اور اقوال اور افعالِ صحابہؓ کبار سے خصوصًا حضرت عمرؓ سے جو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچ حق ان کے کے۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله جعل الحق على لسان عمر وقلبه. رواه الترمذی

فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے تحقیق کر دیا اللہ جلّ شانہٗ نے حق کو اور اوپر زبان و دل عمرؓ کے۔

وعن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو كان بعدي نبي لكان عمر بن الخطاب.

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر ہوتا پیغمبر بعد میرے البتہ ہوتا عمر بن الخطابؓ۔

روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو ترمذی نے۔ لکھا عینی نے شرح بخاری میں اور کمال الدین نے فتح القدیر میں ایک حدیث آمین خفیہ کی صحیح ہے اوپر شرط شیخین کے اور ابوالعنبس

کنیت ہے حجر بن عنبسہ کی جیسا کہ نقل کیا اس کو عینی نے اہلِ حدیث سے اور ہونا کنیت کا اس کے لیے ابوالسکین سے صحیح ہے۔ اس لیے کہ ایک آدمی کے لیے دو کنیتیں ہوتی ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے مسودہ حدیث میں۔ پس نہ وارد ہوا وہ اعتراض جو نقل کیا ہے ترمذی میں امام بخاری سے اور راوی آمین بالجہر یعنی سفیان نے شعبہ کو جو راوی اخفا کا ہے سردار علم حدیث کا کہا ہے۔

قال في تقريب التهذيب: قال سفيان: شعبة أمير المؤمنين في علم الحديث

پس جو شخص باوجود ہونے آیت اور احادیثِ قویہ کے امامِ اعظم کو بے سند جانے سخت گمراہ ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

سوال

قضا کا ظاہر اور باطن نافذ ہونا مثلاً کوئی شخص کسی کی جورُو پر دعویٰ کر کے جھوٹے گواہ گزار کر عورت پر قابض ہو جاوے تو اس عورت کے ساتھ مدّعی کو صحبت کرنے میں اللہ کے نزدیک پکڑ نہیں۔ انتہی ملخصًا

جواب

کسی اہلِ اسلام کے نزدیک مدّعی کو عورت مذکور سے صحبت کرنی درست نہیں۔

ذكر في الدر المختار والشامي بما حاصله: إن كان سببا لا يمكن إنشاؤها لا ينفذ اتفاقا كما لو كانت المرأة محرمة فإذا ادعى أنها زوجته وأثبت ذلك بشهادة الزور وهو يعلم أنها محرمة عليه بكونها منكوحة الغير أو معتدته فإنه لا ينفذ باطنا اتفاقا. انتهى

یعنی در مختار اور شامی میں لکھا ہے کہ غیر کی جورُو پر دعویٰ کر کے جیت جانے سے وہ عورت اس پر کسی اہلِ اسلام کے نزدیک حلال نہیں ہوتی۔

پس یہ مثال قائل کی صاف افتراء اور بہتان ہے ائمہ عظام پر۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعن آخر هذه الأمة أولها وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: شرار كم شرار العلماء.

یعنی فرمایا رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے علامت قیامت سے ہے کہ لعنت کرے آخر اس امّت کا مقدمین پر اور فرمایا کہ عالم شرارت انگیز سب شریروں کا سرگروہ ہے اور مذہب حنفی میں سوائے املاکِ مرسلہ کے باعتبار روایت غیر مفتٰی بہٖ کے باطن میں نافذ ہونا قضا کا وارد ہے مگر مقلدین پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ مذہبِ حنفی عبارت ہے روایت مفتٰی بہٖ سے۔

قال في الدر المختار والشامي بما حاصله: ينفذ القضاء بشهادة الزور ظاهرا وباطنا في العقود والفسوخ لما رواه محمد في الأصل حيث قال: بلغنا عن عليّ كرم الله وجهه أن رجلا أقام عنده بينة على امرأة أنه تزوجها فأنكرت فقضي له بالمرأة فقالت: إنه لم يتزوّجني، فأما إذا قضيت عليّ فجدّد نكاحي، فقال: لا أجدّد نكاحك، الشاهدان زوجاك فلو لم ينعقد النكاح بينهما باطنا بالقضاء لما امتنع من تجديد العقد وقد كان في ذلك تحصينها من الزنا

وصيانة ماءه وقالا وزفر الثلاثة ظاهرا فقط وعليه الفتوى بخلاف الأملاك المرسلة أي المطلقة عن ذكر سبب الملك فظاهرا فقط إجماعاً لتزاحم الأسباب حتى لو ذكرا سببا معيّنا فعلى الخلاف، إن كان سببا يمكن إنشاؤه وإلّا لا ينفذ اتفاقا.

یعنی نافذ ہونا قضا کا بعض صُوَر((صورتوں)) میں غیر مفتیٰ بہ کے آیا ہے بموجب نقل کرنے امام محمد کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہ قائم کیے گواہ ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حضور میں اوپر نکاح ایک عورت بیوہ کے اور انکار کیا اس عورت نے نکاح کا، پس جب حکم لگا دیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بموجب گواہی کے۔ کہا اس عورت نے امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کو کہ ہر گز دراصل اس شخص کا میرے سے نکاح نہیں ہوا ہے لہٰذا چونکہ بموجب حکم جناب کے مجھ کو ساتھ اس کے جانا پڑا نکاح کر دو میرا اس سے۔ فرمایا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہ نکاح کر دیا تیرا گواہوں نے۔ پس اگر حکم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عند اللہ نافذ نہ ہوتا تو ضرور نکاح کر دیتے کیونکہ بدوں نکاح کے بچنا اس عورت کا زنا سے بر تقدیر مذکور محال ہے اور اس تکلیف مالا یطاق کو آیت رد کرتی ہے۔

قال الله تعالى: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ٢٨٦]

یعنی نہیں تکلیف دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو بدوں طاقت اس کی کے۔

فائدہ:

پس طعن کرنے والے بموجب اس روایت کے جو موافق حدیث متواتر کے ہے۔ "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: البينة على المدعي واليمين على من أنكر" یعنی گواہ قائم کرنے مدعی پر لازم ہے ورنہ مدعی علیہ اپنے انکار پر قسم کرے،

در پردہ دشمن ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا دار الحكمة وعليّ بابها. رواه الترمذي

فرمایا رسولِ مقبول ﷺ نے میں گھر حکمت کا ہوں اور علیؓ دروازہ اس کا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحب عليًّا منافق ولا يبغضه مؤمن. رواه الترمذي

یعنی فرمایا رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دوست رکھتا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منافق اور نہیں بغض رکھتا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مومن۔

روایت کیا اس کو ترمذی اور امام احمد نے۔

یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کی باب المناقب میں ہیں۔ گزر چکی باقی تحقیق اس کی صفحہ ۲۱ میں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

سوال

جو شخص محرماتِ ابدیہ جیسے ماں یا بہن نکاح کر کے اس سے صحبت کرے تو اس پر حد شرعی جو قرآن اور حدیث میں وارد ہے، نہ لگانا۔

جواب

یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اب بموجب روایت مفتٰی بہ کے اس پر حد کا قائم کرنا ضروریات سے ہے۔

وفى الدر المختار قال: إن علم بالحرمة حد وعليه الفتوى.

یعنی در مختار میں لکھا ہے کہ حد لگانے کی روایت مفتٰی بہ ہے۔

لیکن ایک روایت میں امام اعظم سے سزا اس کی سخت عقوبت منقول ہے۔

ذكر في الشامي: ألا ترى أن أبا حنيفة ألزم عقوبته بأشد ما يكون.

یعنی امام اعظم نے لازم کیا ہے سخت زیادہ عقوبت کو مثل قتل کرنا یا جلا دینا اس کو ساتھ آگ کے یا دیوار گرا دینے اس پر تا (کہ) دب کر مر جائے یا بلند مکان سے سر کے بل گرا کے پتھروں سے مار دینا۔

قال في الدرالمختار: إن وطئ في دبر عبده أو أمته أو زوجته فلا حدّ إجماعا بل يعزر. قال في الدر: بنحو الإحراق بالنار وهدم الجدار والتنكيس من محل مرتفع باتباع الأحجار. انتهى

پس حد کا نہ ہونا بموجب ایک روایت کے دال اوپر خفت گناہ کے نہیں بلکہ دال اوپر سخت ہونے گناہ کے ہے۔

قال في الدر المختار: وعدم الحد عنده لا لخفتهما بل للتغليظ لأنه مطهّر على قول.

یعنی حد کا لگانا دال اوپر خفتِ گناہ کے نہیں بلکہ دال ہے اوپر بڑے ہونے گناہ کے کیونکہ حد لگانے سے گنہگار پاک ہو جاتا ہے نزدیک بعض کے۔

فائدہ:

یعنی اگر مثل اور زنا کاروں کے پاک ہو جاتا اور لوگوں کو ایسے گناہ سخت کی کچھ عبرت حاصل نہ ہوتی یعنی ماں بہن سے زنا کرنے والا اور باقی زنا کار برابر ہو جاتے۔ گزر چکی باقی تحقیق صفحہ بائیس میں۔

فالطعن على هذه الرواية ضلالة صريحة. قال الله تعالى:

وماذا بعد الحق إلا الضلال.

شاید کسی غیر مقلد کو وطی کرنے اس کے ساتھ ماں بہن کے حکام اہلِ اسلام نے اس روایت پر عمل کر کے سخت سزا دے کر مار دیا ہوگا اور مثل باقی زناکاروں کے سو درّہ لگا کر واگذاشت نہ کیا ہوگا یا کسی غیر مقلد کو بسبب لواطت کرنے اس کے کے ساتھ بیوی اپنی کے بموجب حدیث بخاری کے حکومت اہلِ اسلام میں سخت سزا دی گئی ہوگی اور یہ لوگ لواطتِ مذکورہ کو معاذ اللہ سنّت جانتے ہوں گے کیونکہ ان کے نزدیک صحیحین کی احادیث اور آثار پر عمل کرنے والے کو تحقیق ضرور نہیں اور اثر عبداللہ بن عمرؓ کا جو بلا تحقیق دال ہے اوپر جوازِ لواطتِ مذکورہ کے صحیح بخاری میں موجود ہے اور یا کسی غیر مقلد نے اپنی بیٹی زنا کی سے نکاح کر کے وطی کی ہوگی کیونکہ غیر مقلدین کے نزدیک ایسی بیٹی سے نکاح کرنا بھی درست ہے اور فتویٰ مولوی عبدالجبار ولد مولوی عبداللہ غزنوی شاگرد مولوی نذیر حسین بنگالی غیر مقلد ولایتی کا "الحرام لا یحرّم الحلال" سے دلیل پکڑ کر دینا کہ حرام کاری سے حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوتی، شاہدِ عدل ہے مضمونِ مذکور پر۔

اور اسی قبیل سے ہے فتویٰ دینا مولوی محمد حسین وغیرہ کا کہ:

"شوہرِ اول کو درست ہے بدوں حلالہ کے نکاح کرنا ساتھ عورت اپنی کے بعد تین طلاق کے۔"

وفى الشامي: قد بالغ المحقق ابن همام فى رده حيث قال فى آخر باب الرجعة: لا فرق فى ذلك أى اشتراط المحلل بين كون المطلقة مدخولا بها أو لا لصريح إطلاق النص وقد وقع فى بعض الكتب: إن غير المدخول بها تحل بلا زوج وهو زلة عظيمة مصادمة للنص والإجماع

لايحل لمسلم رآه أن ينقله فضلا أن يعتبره؛ لأن في نقله إشاعة وعند ذلك ينفتح باب الشيطان في تخفيف الأمر فيه ولا يخفى أن مثله ممّا لا يسوغ الاجتهاد فيه لفوات شرطه من عدم مخالفة الكتاب والإجماع. نعوذ بالله من الزيغ والضلال والأمر فيه من ضروريات الدين لا يبعد إكفار مخالفه. انتهى بلفظه

خلاصہ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ بدوں حلالہ کرنے کے نکاحِ مذکور کے جواز کا فتویٰ دینے والے کو کافر قرار دینا بعید نہیں کیونکہ حرمت اس کی قرآن اور اجماع سے ثابت ہے۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے عقد الجید میں ایسے مفتی کے رُوسیاہ کرنے کے واسطے روایت نقل کی ہے۔ وہوہذا:

فقيه أفتى بمذهب سعيد بن المسيب ويزوج للزوج الأول بقيت مطلقة بثلاث تطليقات كما كان ويسود وجهه ويبعد.

یعنی جو عالم بموجب مذہب سعیدؒ کے مطلقہ ثلاثہ کا نکاح کا درست کر دیوے پہلے خاوند کو، اس کے جائز کرنے سے حلال نہیں ہوتی اور ایسے عالم کی سزا یہ ہے کہ روسیاہ کر کے نکال دیا جاوے۔

تنبیہ

اکثر روش ان کی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب امام اعظمؒ کی ضد پر مصر ہیں۔

قال فی الدر المختار: (شعر)

ولعنة ربنا أعداد رمل
على من ردّ قول أبي حنيفة

یعنی لعنت پروردگار کی برابر شمارِ ریگِ بیابان کے وارد ہو اس شخص پر کہ جو رد کرے قول امامِ اعظم کا ضد سے۔ أعوذ بالله من الشيطان الرجيم والله أعلم وعلمه أتم۔

سوال

تحدیدِ آبِ کثیر جو وقوع نجاست سے پلید نہ ہو، دہ دردہ سے کرنا۔

جواب

چونکہ حدیث قلتین کی باوجود ضعیف ہونے اس کے مضطرب تھی یعنی بعض روایت میں تین قلہ اور بعض میں چالیس قلہ وارد ہے اور حدیث "الماء طهور لاينجّسه شيء" سے بھی ظاہری معنیٰ مراد نہیں یعنی پانی پاک ہے، نہیں پلید کرتی اس کو کوئی شے ورنہ کفارِ ہند کی طرح ہر پانی کو پاک جاننا لازم آوے گا یعنی اگرچہ سیر بھر پانی میں آدھ سیر پیشاب یا گوبر ملا ہوا ہو پاک ہونا اس کے پر فتویٰ دینا لازم پڑے گا۔ هل هذا إلا تهافت

عن أبي سعيد الخدرى أن النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن الحياض التى بين مكة والمدينة تردها السباع والكلاب والحمر وعن الطهارة منها فقال: لها ما حملت فى بطونها ولناما غبر طهور. رواه ابن ماجه

یعنی پوچھی گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاکی ان حوضوں سے جو مابین مکہ اور مدینہ کے ہیں، وارد ہوتے ہیں ان پر درندے اور کتے اور گدھے۔ فرمایا ان

کے لیے جو پی گئے اور ہمارے لیے جو بچا پاک ہے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

فائدہ:

یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے اس پر کہ اگر قلتین یعنی پانچ مشک کی مقدار پانی پلید نہ ہو سکتا تو اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حوضوں کے باب میں کیوں سوال کرتے؟ چونکہ بیابان کے حوض اکثر بڑے بڑے ہوتے ہیں لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حوضوں کو حکم آب رواں میں داخل کر کے پاک فرمایا لیکن چونکہ احادیث میں بیان ادنیٰ حدِّ کثرت نہیں ذکر کی گئی تھی اسی واسطے تقدیرِ تحدید میں مختلف ہوئیں روایات۔
اور تحدید دہ دردہ کی جو اختیار کیا اس کو ابو سلیمان نے، ممکن ہے استنباط اس کا اصل شرعی سے:

وهو أنه كما قدر المهر ونصاب السرقة بالعشرة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا مهر أقل من عشرة دراهم. رواه الدار قطني قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يقطع يد السارق إلا في مجنة قومت يومئذ بعشرة دراهم. أخرجه الطحاوی في شرح الآثار. كذلك قدرنا جوانب الحوض قياسا عليهما. فليتأمل

یعنی جیسا کہ تحقیق اندازہ کیا گیا اقل حدِّ مہر اور سرقہ کا ساتھ دس درہم کے، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں مہر کم دس درہم سے۔ روایت کیا اس کو دار قطنی نے اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ کاٹا جاوے ہاتھ چور کا مگر بیچ سپر (ڈھال) کے جو قیمت کی گئی تھی اس وقت میں ساتھ دس درہم کے۔

روایت کیا اس کو طحاوی نے شرح آثار میں۔ اسی طرح اندازہ کیا ہم نے اطرافِ حوض کو ازروئے قیاس اوپر نصاب مہر اور سرقہ کے۔

نقل في الشامی عن شيخ الإسلام العلامة سعد الدين الديري أنه حقق ما اختاره أصحاب المتون من اعتبار العشرة وردّ على من قال بخلافه ردّا بليغا وأورد نحو مائة نقل ناطقة بالصواب إلى أن قال: (شعر)

وإذا كنت في المدارك غرًّا
ثم أبصرت حاذقا لا تماري
وإذا لم تر الهلال فسلّم
لأناس رأوه بالأبصار

ولا يخفى أن المتاخرين أفتوا بالعشرة كصاحب الهداية وقاضی خان وغيرهما من أهل الترجيح هم أعلم بالمذهب منّا فعلينا اتباعهم كما لو أفتونا في حياتهم. انتهى ملخصا

یعنی علامہ سعد الدین دیری نے اختیار کیا ہے تحدید دہ در دہ کو اور سخت رد کیا ہے مخالفین پر اور نقل کی ہیں بقدر سو روایات کے اوپر صحت اس کی کے یہاں تک کہ مخالفین کے حق میں یہ دو شعر بھی۔

اگر تیری فہمید ہے پر خلل
بلا شبہہ ذی ہوش کی چال چل

اگر چاند کو تو نہیں دیکھتا
تو تسلیم کر قول صاحب بصر کا

گزر چکی باقی تحقیق اس کی صفحہ ۳۷ میں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

سوال

رفع یدین نہ کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت رکوع جانے کے اور رکوع سے سر اٹھانے کے۔

جواب

عن عبد الله بن مسعود: ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فصلّى ولم يرفع يديه إلّا مرة واحدة مع تكبير الافتتاح. رواه الترمذي

کہا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا نہ پڑھاؤں تم کو نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی؟ پھر نماز پڑھائی اور نہ رفع یدین کیا سوائے تکبیر تحریمہ کے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

وعنه قال: صليت خلف النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر فلم يرفعوا أيديهم إلا عند افتتاح الصلاة.

کہا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہ نماز پڑھی میں نے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے، پس نہیں رفع یدین کیا انھوں نے سوائے تکبیر اولیٰ کے۔

روایت کیا اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے جو استاد تھے بخاری اور مسلم کے اور لازم ہونا اتباع ابوبکرؓ اور عمرؓ کا حدیث شریف سے ثابت ہے۔

عن حذيفة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا أدري ما بقائي فيكم، اقتدوا بالذين من بعدى أبي بكر وعمر. رواه الترمذي

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتباع کرنا میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

اور ایک روز آنحضرت ﷺ نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو دیکھ کر فرمایا:

هذان السمع والبصر.

یعنی یہ دونوں کان اور آنکھ میری ہیں۔

روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ اور اسی طرح حدیث "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين "کی دال ہے اوپر لازم پکڑنے مطابق ان کے اور روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بہت معتبر ہے کیونکہ ان کی شان میں یہ حدیث وارد ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما حدثكم ابن مسعود فصدقوه.

فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بیان کرے تمھارے پاس ابن مسعودؓ پس سچا جانو تم اس کو۔

روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ اور آیت ﴿هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ [المؤمنون: ۲] اور آیت ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ [البقرة: ۲۳۸] مؤید ہیں ہمارے مدّعیٰ کو۔ کما لا یخفی

عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم: لا ترفع

الأيدي إلا في سبع مواطن، حين تفتح الصلاة وحين يدخل المسجد الحرام فينظر إلى البيت وحين يقوم على الصفا والمروة وحين يقف مع الناس عشيّة عرفة وبجمع والمقامين حين يرمى الجمرة. رواه الطبراني

یعنی فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ رفع یدین کیا جاوے مگر سات مقام میں: وقت شروع کرنے نماز کے اور وقت ظاہر ہونے کے مسجد حرام میں بعد نظر کرنے اس کے طرف بیت اللہ کے اور جس وقت کھڑا ہواُوپر صفا اور مروہ کے اور جس وقت کھڑا ہو ساتھ لوگوں کے شام کے وقت دن عرفہ کے اور مزدلفہ اور مقامین میں جس وقت مارے کنکروں کو۔ روایت کیا اس کو طبرانی نے۔

اور اسی طرح ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے بخاری نے بھی بیچ کتاب مفرد کے اور عبداللہ بن عباسؓ کی فضیلت اس حدیث میں مذکور ہے:

عن ابن عباس قال: ضمني النبي صلى الله عليه وسلم إلى صدره فقال: اللّٰهم علّمه الحكمة.

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کو چھاتی سے لگا کر دعا کی کہ اے پروردگار! سکھادے اس کو حکمت یعنی مضبوطی علم اور عمل کی۔

پس جبکہ ثابت ہوا رفع یدین نہ کرنا ساتھ روایت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کے جن کی شان میں احادیث مذکورۃ الصدر وارد ہیں پس طعن کرنے والے امام پر اس مسئلہ میں سخت گمراہ ہیں۔ گزر چکی باقی تحقیق اس کی صفحہ ۵۳ سے اٹھاون تک۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

اطلاعِ ضروری

ناظرین کتاب ''انتصار الاسلام وتبعین سنّت خیر الانام'' پر واضح ہو کہ یہ کتاب مستطاب مسکین محمد بن مولانا وبالفضل اولانا مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم لدھیانوی نے بااعانت ہر دو برادرانِ خود یعنی مولوی عبداللہ ومولوی عبدالعزیز صاحبان کے بزودی تمام واسطے رفع شکوک عوام کے تعلیم کی گئی۔ اگر کسی غیر مقلد کو ناگوار معلوم ہو تو عقائد مفصلہ ذیل اپنوں کو مدلل کر کے میدانِ مناظرہ میں قدم زن ہو ورنہ مجادلہ کی راہ شانِ علماء سے بعید ہے:

۱. کوئی دلیل شرعی سوا آیت اور حدیث اور اجماع صحابہ کے نہیں ہے۔
۲. جمیع احادیث اور آثار بخاری اور مسلم اور موطا پر بلا تحقیق عمل کرنا درست ہے۔
۳. حدیث صحیحین کی مقدم ہے اوپر باقی احادیث کے۔
۴. اور سوائے صحاحِ ستہ کے اور کتابوں کی حدیث معتبر نہیں۔
۵. تقلید ایک امام کی ائمہ اربعہ سے مسائلِ قیاسیہ میں شرک ہے۔
۶. تقلید مولوی نذیر حسین صاحب بنگالی کی سنّت ہے۔
۷. آیت اور حدیث سے زمانہ میں تمسک پکڑنا ہر شخص کو درست ہے۔
۸. سلسلہ رواتِ حدیث میں اگرچہ وہ شخص ہو کہ جس کو غیر مقلدین اپنے زعم میں مشرک یا بدعتی جانتے ہیں، حدیث مجروح نہیں ہوتی۔
۹. جس حدیث کو امامِ اعظم نے سند پکڑا ضعیف خیال کرنا بدوں ثبوتِ مجروحیت ان رجال کے جو امامِ اعظم اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہیں۔
۱۰. جس حدیث کو کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی امر کے عدمِ جواز پر تاکیداً روایت کیا ہو اس حدیث پر عمل کرنے میں صحابی کو اختیار ہے

چاہے کریں چاہے نہ کریں۔

عقائدِ مذکورہ کو اول شریعہ سے ثابت کرو ورنہ موردِ آیت:

﴿شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾ [الشوری: ۲۱]

میں تم کو داخل ہونا پڑے گا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

حضرات غیر مقلدین روی زمین معتقدین امور مذکورہ کی خدمت میں مسائل واسطے طلب دلائل کے پیش کی جاتے ہیں:

۱. رفع یدین کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نماز میں۔

۲. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کے بغیر آمین بلند کہا کرتے تھے۔

۳. اگرچہ امام آہستہ کہے مقتدیوں بلند کہنا سنت ہے۔

۴. مستورات اگر جماعت سے نماز پڑھیں آمین بلند کہیں۔

۵. حدیث قراءت خلف امام کا بعد نزولِ آیت ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ ... الآیہ﴾ [الأعراف: ۲۰۴] کے مروی ہونا۔

۶. قران شریف پر پاؤں رکھ کر طاق میں سے کوئی چیز اتار لینے کو کس دلیل سے درست جانتے ہو؟

۷. سکانِ حرمین شریفین پر اہلِ ہند کے غیر مقلدین کو کس دلیل سے تفضیل دیتے ہو۔

۸. علمائے مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ کی منصفی سے انکار کرنے کی وجہ باوجود اعلم ہونے ان کے بیان کرو۔

۹. اور حدیث بخاری کو اگر موافق مطلب کے ہو کالوحی سمجھنا ورنہ مولوی نذیر حسین صاحب بنگالی کے قول کو بخاری کی حدیث پر ترجیح دینا۔

۱۰. آیت اور حدیث قوی کے ہوتے حدیث ضعیف پر عمل کرنا۔

آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

تمت تالیفه في السنة الرابعة والتسعين بعد الألف والمائة

جناب مولوی صاحب محمد
معین و محی اسلام اند حقا
ز فیضِ علمِ شاں ایں لودیانہ
پُر از انوارِ حق گشتہ چو بیضا
نہ بودہ شانِ غرض در ہیچ گاہے
بسوئے یاوہ گوئی بے سر و پا
دریں اثنا کہ دعوائے مخالف
ز حد بہ گذشت برپا کرد غوغا
چناں کز وہم تا اینجا رسیدند
کہ بر تقریر و تحریر ست دعویٰ
لہٰذا عزمِ ایں تحریر کردند
کہ تا عامی نہ فہمد کوست بر جا
غیاث از بہرِ سالش گفت ز اخلاص
جزاک اللہ فی الدارین خیرًا

نظم از حضرت مولانا
مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ

زمیں بدلی، زماں بدلا مکیں بدلے، مکاں بدلا
نہ میں بدلا، نہ تو بدلا تو پھر بدلا تو کیا بدلا؟

زمانے کی روشِ بدلی زمین وآسماں بدلے
نہ بدلا فکرِ انسانی تو پھر بدلا تو کیا بدلا؟

وزارت ہی بدلنی تھی تو پھر بدلی تو کیا بدلی
نہ بدلا جو بدلنا تھا تو پھر بدلا تو کیا بدلا؟

نہ عادتِ حکمراں بدلی نہ حالت بےکساں بدلی
حکومت ہی نہ جب بدلی تو پھر بدلا تو کیا بدلا؟

نہ راشی کی روشِ بدلی نہ خویشاں پروری بدلی
نہ یہ بدلی، نہ وہ بدلی تو پھر بدلا تو کیا بدلا؟

بدلنا ہے اگر تجھ کو بدل جیسے عمرؓ بدلے
نہ جیسے بوجہل بدلا تو پھر بدلا تو کیا بدلا؟

بدل دے جو بدلنا ہے بدلنا جرم ہے مخفی
بدلنا ہی نہ گر بدلا تو پھر بدلا تو کیا بدلا؟

مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ شاگردِ رشید شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ

مہتمم مدرسہ اللہ والا لدھیانہ و نائب صدر جمعیت علماء ہند وبانی جمعیت علمائے اسلام پاکستان

علماء لدھیانہ کی مزید کتب
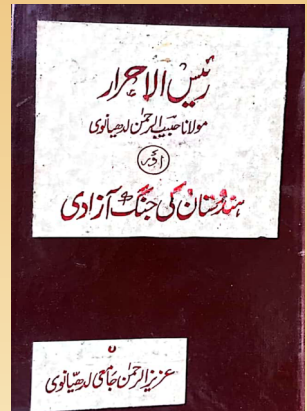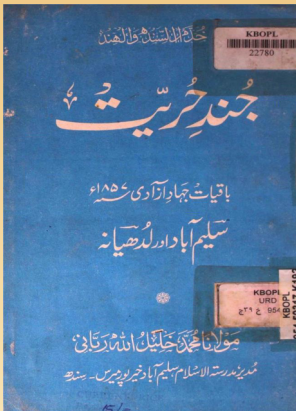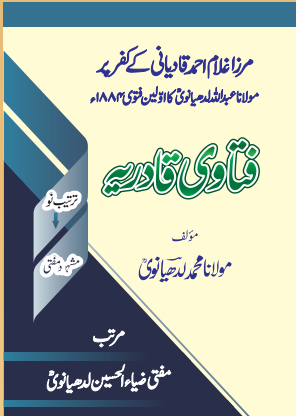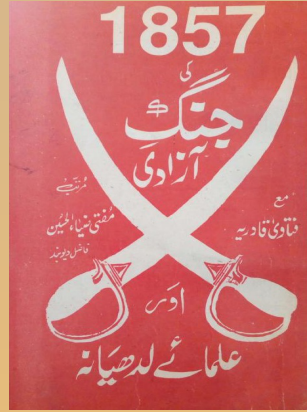
تمام کتب اس لنک پر دستیاب ہیں
https://archive.org/details/ulemaeludhiana